کم سن اطفال قومِ مہدویہ کی تعلیم کے لئے

رسالۂ نافعہ موسوم بہ

العقائد

حصۂ سوّم

...... از ......

حضرت علاّمہ بحر العلوم اشرف العلماء سید اشرف شمسیؒ

فہرست

فصل	عنوان
	مقدمہ
۱	عالم حادث ہے
۲	موجود دو قسم پر ہے
	پہلا باب۔مسائل ذات باریٔ تعالیٰ وصفات باریٔ تعالیٰ
۳	واجب لذاتہ یعنی باری تعالیٰ مرکب نہیں ہے
۴	ذات باری تعالیٰ پر عدم کا وقوع نہیں ہوسکتا
۵	واجب تعالیٰ سب وجوہ سے واجب ہے۔
٦	واجب الوجود ایک ہی ذات ہے
۷	باری تعالیٰ موجود اور ایک ہے۔
۸	اللہ تعالیٰ جسم وجسمانی نہیں ہے
۹	ذات باری تعالیٰ محتاج مکان نہیں ہے
۱۰	باری تعالیٰ کی ذات کسی چیز سے متحد نہیں ہے
۱۱	اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ہے
۱۲	اللہ تعالیٰ کو کسی وجہ سے دکھ درد نہیں ہوتا
۱۳	اللہ تعالیٰ جہت منزّہ ہے
۱۴	اللہ تعالیٰ جہل اور کذب سے موصوف نہیں ہے
۱۵	اللہ تعالیٰ عالم ہے
۱٦	اللہ تعالیٰ قادر ہے

۱۷ اللہ تعالیٰ سب ممکنات پر قادر ہے
۱۸ ارادہ ومشیئت
۱۹ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے
۲۰ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے
۲۱ اللہ تعالیٰ متکلم ہے
۲۲ قرآن مجید کلام اللہ غیر مخلوق ہے
۲۳ اسماء اللہ توقیفی ہیں۔
۲۴ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے
۲۵ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے
۲۶ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے
۲۷ اللہ تعالیٰ غنی ہے
۲۸ اللہ تعالیٰ رازق ہے
۲۹ اللہ تعالیٰ ممیت ہے
۳۰ نفع وضرر اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں

دوسرا باب۔ ملائکہ کے بیان میں

۳۱ ملائکہ کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے
۳۲ ملائکہ گناہ سے معصوم ہیں
۳۳ فرشتے افضل ہیں یا بشر
۳۴ فرشتوں میں حضرت جبرئیلؑ سردار ہیں
۳۵ حضرت جبرئیلؑ صاحب وحی ہیں
۳۶ ملائکہ صفات جسمانی سے منزّہ ہیں
۳۷ ملائکہ کو ترقی وتنزل نہیں ہے

تیسرا باب۔ کتب منزّلہ کے بیان میں

۳۸ مقدس کتابیں اور صحائف

۳۹ وحی

۴۰ قرآن مجید جامع اور خاتم الکتب ہے

۴۱ قرآن مجید معجزہ ہے

۴۲ قرآن سب کتب آسمانی کا ناسخ ہے

۴۳ قرآن ازلی وقدیم ہے

چوتھا باب۔نبوت کے بیان میں

۴۴ نبی کے اشتقاق میں علماء کا اختلاف رائے

۴۵ انبیاء کی پیدائش کے فوائد

۴۶ انسانوں میں پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ ہیں

۴۷ پیغمبروں کی تعداد

۴۸ سب انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں

۴۹ معجزہ

۵۰ انبیاء کے دو قسم۔صاحب شریعت، تابع شریعت

۵۱ انبیاء کی شریعتوں کے اصول

۵۲ دیگر انبیاء صرف مخصوص قطعات یا اقوام کی ہدایت پر مامور تھے

۵۳ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت

۵۴ محمد رسول اللہ ﷺ عام افراد انسان کی ہدایت پر مامور تھے

۵۵ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں

۵۶ محمد رسول اللہ ﷺ شافع ہیں

۵۷ محمد رسول اللہ ﷺ سب پیغمبروں میں افضل ہیں

۵۸ معراج رسول اللہ ﷺ

پانچواں باب۔خلافت کے بیان میں

۵۹ رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا
۶۰ خلافت ابوبکر صدیقؓ
۶۱ خلافت عمر فاروقؓ
۶۲ خلافت عثمان غنیؓ
۶۳ خلافت علی المرتضیٰؓ
۶۴ خلافت و امامت
۶۵ خلافت راشدہ کے لئے اہل سنت کے پاس شرط عصمت نہیں ہے
۶۶ اصحاب رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی و گستاخی فسق ہے
۶۷ فضیلت خلفائے راشدین
۶۸ خلفائے راشدین کے بعد اصحاب عشرہ مبشرہ افضل ہیں
۶۹ ولی
۷۰ ولایت و نبوت
۷۱ کرامت اولیاء اللہ حق ہے
۷۲ معجزہ و کرامت

چھٹا باب۔ عذاب قبر اور آخرت کے بیان میں

۷۳ عذاب قبر
۷۴ سوال منکر و نکیر
۷۵ زندوں کی دعا و صدقہ سے میتوں کو نفع ہوتا ہے
۷۶ اشراط قیامت
۷۷ ایک دن زمین و آسمان کا نظام بگڑ جائے گا
۷۸ معاد جسمانی
۷۹ پُل صراط
۸۰ میزان

٨١ نامۂ اعمال
٨٢ جنت وجہنم
٨٣ جنت میں داخل ہونے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے
٨٤ مشرکوں کے بچے جنتی یا دوزخی
٨٥ حوض کوثر
٨٦ جنت میں دیدار خدا

ساتواں باب۔ایمان کے بیان میں

٨٧ ایمان کی تعریف
٨٨ ایمان کی زیادتی ونقصان
٨٩ عمل ایمان کا جز نہیں ہے
٩٠ ایمان کے لئے تصدیق واعتقاد کی ضرورت ہے
٩١ اسلام وایمان ایک ہیں۔
٩٢ انشاءاللہ مومن ہوں کہنا درست ہے یا نہیں
٩٣ انسان کی سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہے
٩٤ مومن کی دو قسم۔مومن صالح۔مومن فاسق
٩٥ ایمان مقلد
٩٦ مومن سے گناہ صادر ہو تو وہ مومن ہی رہتا ہے
٩٧ دوزخ میں وہی شخص داخل ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کو جھٹلایا ہے
٩٨ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گناہوں کو بخش سکتا ہے مگر شرک کو نہیں بخشتا
٩٩ مومن پر توبہ کرنا واجب ہے
١٠٠ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمُ

حامدا و مصلیاً ۔ بندہ سید اشرف بن سید علی بن فاضل علامہ حافظ مولوی سید اشرف برّد اللہ مضجعہ عرض کرتا ہے کہ العقائد کے حصہ اول و دوم میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ان رسالوں کے مضامین کم سن بچوں کے سمجھ میں آ جائیں اور عقاید کے ضروری مسائل اجمالی طور پر انہیں یاد ہو جائیں لہذا میں نے ان دونوں رسالوں میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے نہ ان کی تفصیل کی اور نہ ان کے دلائل ذکر کئے بلکہ صرف عقاید ہی بیان کئے ۔ اس وقت میں نے العقاید کے تیسرے حصہ کو شروع کیا ہے ۔ اس رسالہ میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ان مسائل کی جن کا ذکر حصۂ اول میں کیا گیا ہے توضیح کی جائے اس طرح پر کہ اگر ان کی پوری تفصیل نہ ہو سکے تو ان کا ایسا اجمال بھی نہ رہے جیسا کہ پہلے تھا اس توضیح سے یہ ہوگا کہ طالبان علم مختصر دلائل کے ساتھ حصۂ اول کے مضامین کو سمجھ لیں گے اور اس فن کے دوسرے تفصیلی رسائل کے مطالعہ میں ان کو مدد ملے گی ۔ اس رسالہ سے غالبًا ان طالب علموں کو بھی مدد ملے گی جو جماعت مولوی کی لیاقت اور درجۂ عالم کی تعلیم کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ میں نے اس رسالہ کے مضامین کو حتی الامکان سلیس زبان میں بیان کیا ہے اور اخیر تک یہی رعایت رکھی ہے مگر بعض پیچیدہ مسائل میں باوجود اس سلاست بیانی کے بھی تفہیم کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اس رسالہ میں ایک مقدمہ ہے اور سات باب ہیں ۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یہ رسالہ طالب علم کے لئے نافع اور میرے لئے ذخیرہ آخرت ہو ۔

وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی و نعم الوکیل ۔

مقدمہ

فصل جمہور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ عالَم حادث ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ عالم پہلے معدوم تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مدت کے بعد عالم کو پیدا کیا۔ متکلمین اس حادث کو حادث زمانی کہتے ہیں کیونکہ متکلمین کے پاس یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اور فاعل مختار وہ ہے کہ اگر چاہے تو اس سے فعل صادر ہو اور اگر نہ چاہے تو اس سے فعل صادر نہ ہو۔ ایسے فاعل سے جو فعل صادر ہوتا ہے تو وہ حادثِ زمانی ہوتا ہے پس عالم متکلمین کے پاس حادث زمانی ہے اور اس کا صانع فاعل مختار ہے جو اللہ جل شانہ' وحدہ لاشریک لہ ہو۔

فصل موجود دو قسم پر ہے واجب لذاتہ ممکن لذاتہ۔ واجب لذاتہ جو خود اپنی ذات سے موجود ہو یعنے اپنی موجودیت میں غیر کا محتاج نہو۔ ممکن لذاتہ وہ ہے جو اپنی ذات سے موجود نہو بلکہ اپنی موجودیت میں غیر کا محتاج ہو۔ جو چیز واجب لذاتہ ہے اللہ جل شانہ ہے اور جو چیز ممکن لذاتہ ہے ماسوی اللہ یعنی عالَم ہے۔ پس ایک چیز واجب و ممکن نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں نقیضین ہیں اور اجتماع نقیضین باطل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عالم متکلمین اور اہل سنت کے پاس حادث ہے اور اس کا محدث اللہ جل شانہ ہے جو فاعل مختار ہے۔

حدوثِ عالم کے مسئلہ میں جن پیچیدہ اور دقیق تقریروں کی ضرورت ہے ان کا چونکہ یہ رسالہ متحمل نہیں ہے مناسب نہیں ہے کہ ان کو چھیڑا جائے پس جن کو ان مسائل کے دیکھنے کا شوق ہو علم کلام کی مطول کتابوں کو پڑھیں۔

پہلا باب

مسائلِ ذاتِ باری تعالیٰ وصفاتِ باری تعالیٰ کے بیان میں

فصل۔ واجب لذاتہ یعنے باری تعالیٰ مرکب نہیں ہے۔ کیونکہ جو چیز مرکب ہے وہ اپنے اجزاء کی محتاج ہے اور جو محتاج ہے وہ ممکن ہے پس باری تعالیٰ کی ذات بھی اگر مرکب ہوگی تو ممکن ہوگی۔

فصل۔ ذات باری تعالیٰ پر عدم کا وقوع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر باری تعالیٰ پر عدم واقع ہوگا تو باری تعالیٰ کا وجود سبب عدم کے عدم پر موقوف ہوگا۔ جو چیز اپنی موجودیت میں غیر کی محتاج ہوگی ممکن ہوگی۔ پس جب باری تعالیٰ بھی اپنی موجودیت میں غیر کا محتاج ہوگا تو ممکن ہوگا اور یہ باطل ہے۔

فصل۔ واجب تعالیٰ سب وجوہ سے واجب ہے کیونکہ اگر اس کا وجوب کسی امر ثبوتی یا سلبی پر موقوف ہوگا تو جب تک اس امر ثبوتی کا حصول یا اس امر سلبی کا انتفا نہ ہوگا باری تعالیٰ کا وجوب ثابت نہ ہوگا اس صورت میں واجب واجب نہ رہے گا بلکہ ممکن ہوجائے گا اور یہ باطل ہے۔

فصل۔ واجب الوجود ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات اللہ جل شانہ ہے کیونکہ اگر دو واجب ہوں گے تو ان دونوں کو وجوب میں اشتراک ہوگا یعنی وجوب دونوں میں مشترک ہوگا اس صورت میں ضرور ہے کہ کسی امر خاص کی وجہ سے ان دونوں میں امتیاز ہوجائے پس یہ امر خاص عین وجوب ہوگا یا اس کا جزیا لازم ہوگا یا مبائن وجوب ہوگا۔ اگر عین وجوب ہوگا تو جو امر ممیّز یعنی ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والا تھا خود مشترک ہوجائے گا اور امتیاز باقی نہ رہے گا اور اگر جزء ہوگا تو حقیقت واجب کی ترکیب لازم آئے گی۔ اور اگر لازم وجوب ہوگا تو وجوب چونکہ دونوں میں مشترک اور یہی وجوب ملزوم ہے اور یہ امر خاص اس کا لازم ہے تو یہ امر خاص بھی مشترک ہوگا اس صورت میں کسی دوسرے امر خاص کی ضرورت ہوگی اس میں بھی یہی تقریر کی جائے گی پھر تیسرے امر خاص کی ضرورت ہوگی۔ غرض جس تقدیر پر امر خاص مشترک ہوگا تسلسل لازم آئے گا۔ غرض یہ تینوں احتمال باطل ہیں اور اگر وہ امر خاص وجوب کا مبائن ہے تو ذات واجب تعالیٰ وجوب اور مبائن وجوب سے مرکب ہوگی تو یہ احتمال بھی باطل ہے۔ حاصل یہ کہ واجب الوجوب کا تعدد باطل ہے۔

فصل۔ حکماء اور متکلمین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مدبر عالم وصانع عالم یعنی باری تعالیٰ موجود ہے اور ایک ہے اس وجود سے وہ وجود مراد ہے جو عدم کے مقابلہ میں ہے اور اس وحدت سے وہ وحدت مراد ہے جو کثرت کے مقابلہ میں ہے یہی مذہب جمہور علماء کا ہے مگر فرقۂ ملاحدہ نے ایک عجیب بات بیان کی ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ سب چیزوں کا مبداء اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ موجود ہے اور واحد ہے مگر یہ وجود ایسا نہیں ہے جو عدم کے مقابلہ میں ہے اور یہ وحدت بھی ایسی نہیں ہے جس کے مقابلہ میں کثرت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سب متقابلات یعنی اضداد کا مبداء ہے اور اپنے ماسواء کا مبدع۔ وہ واحد وکثیر کا مبداء ہے اور وجود اور اس کا عدم کا موجد ہے جو وجود کا مقابل ہے وہ نہ واجب ہے نہ ممکن ہے نہ ممتنع ہے کیونکہ یہ سب چیزیں آپس میں متقابل ہیں اور وہ متقابلات کا موجد ہے عقل اس کو پا نہیں سکتی کیونکہ وہ عقل کا موجد ہے اور ان چیزوں کا موجد ہے جن کو عقل پیدا کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی یہ حقیقت ہے تو نہ وہ موجود ہے اور نہ وہ معدوم ہے نہ واحد ہے نہ کثیر ہے نہ واجب ہے نہ ممکن ہے۔ محقق طوسی نے نقد محصل میں بیان کیا ہے کہ اس فرقہ نے ذات واجب کی تنزیہ میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ عقل انسانی ذات باری تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتی۔ راقم کہتا ہے کہ ملاحدہ نے یہ بڑا کمال کیا ہے کہ ممتنع اور عدم محض سے ہر ایک کو جو وجود کا مقابل ہے باری تعالیٰ کی مخلوقات میں داخل کرلیا۔ بریں عقل ودانش بباید گریست

فصل۔ اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک جسم بالاتفاق مرکب ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ جسم ہیولے یعنی مادہ اور صورت سے مرکب ہے اور بعض حکماء ومتکلمین کہتے ہیں کہ جسم باریک اور چھوٹے چھوٹے اجزاء سے مرکب ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر مرکب اجزاء کا محتاج ہے اور فاعل کی بھی اس کو حاجت ہے کیونکہ ہر مرکب اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء موجود ہوں اور کوئی فاعل ان اجزاء میں ترتیب دے۔ غرض ہر مرکب اجزاء اور ترتیب کنندہ کا محتاج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ جسم ہوگا تو مرکب ہوگا اور جب مرکب ہوگا تو فاعل اور اجزاء کا محتاج ہوگا۔ اور جب محتاج ہوگا تو ممکن ہوگا اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے بلکہ غنی ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے **الله الغنی و انتم الفقراء** یعنی تم سب محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسمانی اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مرکب چیز ہے جس کے اجزاء میں سے جسم بھی ایک جزٔ ہے جب اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا باطل ہے تو یہ کہنا بھی باطل ہے

کہ اس کی حقیقت کا ایک جزء جسم بھی ہے کیونکہ اس صورت میں بھی ذات باری تعالیٰ کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے تو ذات باری تعالیٰ کا جسمانی ہونا بھی باطل ہے۔

ہمارے اس بیان سے ثابت ہے کہ ذات باری تعالیٰ مرکب نہیں ہے بلکہ اس کی ذات بسیط ہے۔

فصل۔ اس بیان میں کہ ذات باری عزاسمہ محتاج مکان نہیں ہے۔اس کی دو وجہیں ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر ذات باری تعالیٰ مکان میں ہوگی تو متناہی ہوگی اور جو چیز متناہی ہوگی متشکل ہوگی مگر شکل کا قبول کرنا جسمیت کے لوازم سے ہے کیونکہ جسم بھی متشکل ہوتا ہے جب ذات باری تعالیٰ متشکل ہو تو جسم یا جسمانی ہوگی۔لیکن پہلے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا جسم وجسمانی ہونا باطل ہے تو اس کا مکان میں بھی ہونا باطل ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ جو چیز مکان میں ہوتی ہے اس کا ایک طرف دوسرے طرف سے متمیز ہوتا ہے اور جس کا ایک طرف دوسرے طرف سے متمیز ہوتا ہے وہ چیز متمیز ہوتی ہے مرکب ہوتی ہے۔پس ذات باری تعالیٰ بھی جب مکان میں ہوگی تو مرکب ہوگی اور فصل سابق میں ثابت ہوا کہ ذات باری تعالیٰ کا مرکب ہونا باطل ہے تو اس کا مکان میں ہونا بھی باطل ہے۔

فصل۔ باری تعالیٰ کی ذات کسی چیز سے متحد نہیں ہے کیونکہ اگر ذات باری تعالیٰ کسی چیز سے متحد ہوگی تو بعد اتحاد اگر دونوں چیزیں موجود رہینگی تو ان میں اتحاد ثابت نہ ہوگا۔اور اگر وہ دونوں معدوم ہو جائینگی تب بھی اتحاد نہ رہے گا بلکہ انکے معدوم ہونے کے بعد ایک تیسری چیز پیدا ہو جائے گی اور یہ چیز مرکب ہوگی پس ذات باری عزاسمہ کی ترکیب لازم آجائے گی اور یہ باطل ہے اور اگر ان میں سے ایک موجود رہے گی اور دوسری معدوم ہو جائے گی تو موجود و معدوم کے درمیان اتحاد نہیں ہوسکتا۔غرض باری تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مقدمین حکماء سے مثلاً فرفورنوس اور نصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ بعضے چیزوں سے اللہ تعالیٰ کا اتحاد ہوسکتا ہے۔اور بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حضرت مسیح ؑ سے متحد ہے۔بعضے ملاحدہ کا بھی یہ خیال ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہے یہ سب لغو باتیں ہیں ہمارے سابق بیان سے ان کی تردید ہوسکتی ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ہے۔ازل وہ ہے کہ اس کیلئے ابتدا نہو۔اور حادث وہ ہے کہ اس کیلئے ابتدا ہو۔پس یہ دونوں چیزیں آپس میں متخالف ہیں ان کا ایک ذات میں اکٹھا ہونا محال ہے۔اس لیے متکلمین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات محل حوادث نہیں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کو کسی وجہ سے دکھ درد نہیں ہوتا۔ حکماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عقلی لذتیں اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتی ہیں۔ مگر متکلمین اس بات کے قائل نہیں ہیں کیونکہ لذت والم مزاج کے صفات سے ہیں اور مزاج جسمانیات کے لیے ہوتا ہے اور جو ذات جسم وجسمانی نہیں ہے اس کے لیے مزاج بھی نہیں ہے پس اس کیلئے دکھ درد بھی نہیں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ جہت سے بھی منزّہ ہے۔ مگر فرقۂ مجسمہ اور کرامّیہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کی ہے۔ کرامیہ سے محمد ابن ہیضم کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت عرش کے اوپر ہے اور محمد بن ہیضم کے دوسرے اصحاب کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور یہی مذہب مجسمہ کا بھی ہے۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ان فرقوں کا خیال غلط ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ جہت میں ہوگا تو اس کی ذات منقسم اور متشکل ہو جائے گی اور اس کی جسمیت لازم آئے گی اور جب اس کا جسم وجسمانی ہونا باطل ہے تو اس کا جہت میں ہونا بھی باطل ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ جہل اور کذب سے موصوف نہیں ہے کیونکہ دلیل عقلی ونقلی سے یہہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب معلومات کو جانتا ہے اس وجہ سے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پیدا کرتا ہے تو جب تک اس چیز کو نہیں جانے گا کیونکر پیدا کرے گا لہذا اللہ تعالیٰ جہل سے موصوف نہیں ہے اور جھوٹ سے بھی موصوف نہیں ہے۔ کیونکہ جھوٹ صفت نقصان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر صفت نقصان سے منزّہ ہے تو جھوٹ سے بھی منزّہ ہے۔ پس اس کے سب خبریں اور سب وعدے اور وعیدیں سچے ہیں۔ مومنین سے جو وعدہ کیا گیا ہے آخرت میں اس کا پورا ہونا یقینی امر ہے۔ اور کافرین سے جو عذاب دوزخ کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا خلاف نہوگا۔ ہاں جو وعیدات مومنین کے حق میں ذکر کی گئی ہیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عفو کر دے کیونکہ فرمانبردار کے گناہ کو عفو کر دینا انتقام سے بہتر ہے اور نیز عفو میں اپنے حق کا اسقاط اور گناہگار پر ترحم ہے لہذا وعید کا خلاف مستحسن ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ عالم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھو بکل شئیٍ علیم یعنے ہر چیز کو جانتا ہے حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے اور ان چیزوں کا علم نہیں ہے جو مادی اور متشخص ہیں اور بعضے دہریے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھی نہیں جانتا۔ یہ لوگ بالکل احمق ہیں کیونکہ ادنیٰ حیوان سے بھی معاذ اللہ

ذات باری کو اس صفت میں کم سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ہر حیوان کو اس کی راحت اور تکلیف کا علم ہے اور ان دونوں کو اس کا نفس دریافت کر سکتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ ساری چیزوں کو چھپی ہوں یا ظاہر جانتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے **هو الله الذی لا اله الا ّهو عالم الغیب و الشهادة** (الحشر۔۲۲) اور اگر بالفرض کسی چیز کو نہ جانتا تو اس سے کوئی چیز پیدا نہ ہوتی۔ کیونکہ اشیاء کا پیدا کرنا ان کے جاننے پر موقوف ہے مثلاً نجّار کے دل میں جب کرسی اور تخت کی صورت نہ ہو تو وہ کرسی و تخت کو نہیں بنا سکے گا۔ اسی طرح سے ہر صنّاع کی یہی حالت ہے کہ پہلے مصنوع کو سمجھ لیتے ہیں اور پھر اس کو بناتے ہیں اسی طرح صانع عالم ہر چیز کو جانتا ہے اور پھر اس کو پیدا کرتا ہے غرض ہر چیز کا خالق ہر چیز کا عالم ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خالقیت اور عاملیت میں لزوم ہے یعنی جو خالق ہوگا وہ عالم ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق ہے اس کا عالم بھی ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ان الله علی کل شئٍ قدیر** اس آیۃً کریمہ میں شئ سے ممکن مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے پس مقدور وہی چیز ہے جو ممکن ہے اور جو چیز ممکن نہیں ہے وہ مقدور بھی نہیں ہے۔ واضح ہو کہ قادر کے معنی موثر ہیں اور عالم چونکہ ممکن ہے موثر کا محتاج ہے کیونکہ اگر موثر نہ ہوگا تو عالم صادر نہ ہوگا۔ موثر کے دو معنی ہیں ایک وہ موثر ہے جس سے اس کا اثر ضروری طور پر صادر ہوتا ہے مثلاً آگ سے گرمی اور برف سے سردی۔ اور دوسرا موثر وہ ہے کہ اس کا اثر ضروری طور پر صادر نہیں ہوتا مثلاً فاعل ارادی کہ جب ارادہ کرتا ہے تو کوئی کام کرتا ہے اور جب ارادہ نہیں کرتا تو وہ کام نہیں کرتا۔ پہلے موثر کو فاعل موجب کہتے ہیں اور دوسرے موثر کو فاعل مختار کہتے ہیں۔ حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل موجب ہے یعنی اس سے فعل ضروری طور پر صادر ہوتا ہے اور اہل حق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے یعنی جو کچھ چاہتا ہے صادر کرتا ہے۔ اثر کے صادر کرنے کی اس کو ضرورت نہیں ہے بلکہ کبھی وہ اپنے اثر کو صادر نہیں ہونے دیتا۔ پہلے مذہب میں چونکہ اضطرار ثابت ہوتا ہے لہذا اہل حق نے اس کو رد کر دیا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اور یہی اہل سنت ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ سب ممکنات پر قادر ہے عالم میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت سے موجود ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ایجاد پر مستقل قادر ہے۔ اگر یہ فرض کیا جائے گا کہ عالم کے ایجاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ

دوسرا سبب بھی ہے تو یہ باطل ہے اور اسکی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو کچھ ہے وہ ممکن ہے اور جو ممکن ہے وہ اپنے وجود میں علت کا محتاج ہے اور جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے اس میں عالم کی علت بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شئی ممکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایجاد عالم میں شریک ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ممکن کی قدرت کے مساوی ہوگی یا زیادہ ہوگی یا کم ہوگی۔ پہلی تقدیر پر واجب وممکن کی مساوات لازم آتی ہے اور یہ باطل ہے۔ دوسری تقدیر پر اللہ تعالیٰ کو ممکن کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تیسری تقدیر پر اللہ تعالیٰ کی ذات بمقابلہ ممکن کے ناقص ہوجاتی ہے کیونکہ جب ممکن کی قوت واجب کی قوت سے زاید ہوگی تو واجب تعالیٰ کی عاجزی لازم ہوگی اور ممکن کا محتاج ہوجائے گا اور جو چیز محتاج ہوتی ہے وہ ممکن ہوتی ہے پس ذات باری تعالیٰ کا امکان لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔ پس واجب تعالیٰ کو ایجاد میں کسی دوسرے سبب کی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔

فصل۔ ارادہ ومشیٔت کے بیان میں۔ ارادہ ومشیٔت کے یہ معنی ہیں کہ دو مقدوروں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ کسی مسافر کے سامنے ایسے دو راستے ہیں جو اس کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں ان دو راستوں سے کسی راستے کو اختیار کرنے پر وہ قادر اور ان میں سے ہر ایک راستے پر چلنا اس کا مقدور ہے۔ مگر اس نے ان دو مقدوروں سے ایک مقدور کو ترجیح دی ہے یعنی ان میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرے۔ پس یہی ترجیح ارادہ ومشیٔت ہے جس طرح قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اسی طرح ارادہ ومشیٔت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کسی ایک مقدور کے وقوع کو ترجیح دیتا ہے جس سے وہ مقدور پیدا ہوتا ہے اور وجہ ترجیح صرف حکمت الٰہی ہے کیونکہ اس کا فعل غرض سے منزّہ ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عام ازیں کہ وہ مادی ہو یا غیر مادی ہو پیدا کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے **لا الہ الا ھو خالق کل شئی فاعبدوہ** یعنے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو چیز ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادہ سے پیدا ہوئی ہے۔ امام غزالیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی قدرت وارادہ سے پیدا ہوتے ہیں اور بندہ نے ان افعال کا اکتساب کیا ہے۔ جب ان افعال کی نسبت بندہ کی طرف ہوگی تو یہ کہا جائے گا کہ بندہ ان افعال کا کاسب ہے اور جب ان کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق ہے ۔ معتزلہ اور شیعہ کا یہ خیال ہے کہ بندہ اپنے افعال کا آپ ہی خالق ہے مگر یہ یہ نہیں خیال کرتے کہ بندہ اور اس کی قدرت وقوت اور اس کا ارادہ اور اس کی مشئیت سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادہ سے پیدا ہوئے ہیں اس صورت میں بندہ کے سب افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف ہوگی ۔اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ بیان فرمایا ہے **خلقکم و ما تعملون** یعنی تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔
امام غزالیؒ نے قواعد العقاید میں ذکر کیا ہے کہ حکماء کا مذہب بھی معتزلہ کے مذہب کے قریب قریب ہے محقق دوانی یعنی علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقاید جلالی میں امام غزالی کے قول مذکور پر جرح کی ہے کہ ان کے ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے مگر ان کا مذہب یہ نہیں ہے کیونکہ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کے قول سے جو شفا میں ذکر کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سب حوادث کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ محقق دوانی نے حکماء کے انتصار کے خیال میں حجۃ الاسلام کے قول پر بیجا اعتراض کیا ہے۔حق بات وہی ہے جو امام غزالی نے بیان فرمایا ہے کیونکہ شفا و اشارات کے دیکھنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف عقل اول کو پیدا کیا ہے اور عقل اول نے عقل ثانی اور فلک الافلاک کو پیدا کیا ہے اور عقل ثانی نے تیسری عقل اور آٹھویں آسمان کو پیدا کیا ہے اور تیسری عقل نے چوتھی عقل اور ساتویں آسمان کو پیدا کیا ہے اور چوتھی عقل نے پانچویں عقل اور چھٹے آسمان کو پیدا کیا ہے اور پانچویں عقل نے چھٹی عقل اور پانچویں آسمان کو پیدا کیا ہے اور چھٹی عقل نے ساتویں عقل اور چوتھے آسمان کو پیدا کیا ہے اور ساتویں عقل نے آٹھویں عقل اور تیسرے آسمان کو پیدا کیا ہے اور آٹھویں عقل نے نویں عقل اور دوسرے آسمان کو پیدا کیا ہے اور نویں عقل نے دسویں عقل اور پہلے آسمان کو پیدا کیا ہے ۔دسویں عقل پر عقول کے سلسلہ اور پہلے آسمان پر آسمانوں کے سلسلہ کو ختم کیا ۔اسکے بعد بیان کیا ہے کہ جو حوادث پہلے آسمان کے نیچے پیدا ہوتے ہیں ان کی علت دسویں عقل اور پہلے آسمان کی گردش ہے ۔اس بیان سے ظاہر ہے کہ جو حوادث پہلے آسمان کے نیچے پیدا ہوتے ہیں ان کی علت اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ ان کی علت دسویں عقل اور پہلے آسمان کی گردش ہے اور نیز عقل اول کے سوا دیگر عقول اور افلاک کا فاعل و خالق بھی اللہ تعالیٰ نہیں ہے ۔ ہاں وہ اس بات کے معترف ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب علتوں کی علت ہے ۔عالم کے

پیدا ہونے میں انہوں نے جو ان عقول کو اسباب ٹھیرایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے اس میں کسی جہت سے کثرت نہیں ہے اس کے صفات بھی عین ذات ہیں اس کو کسی چیز کی طرف اضافت ونسبت بھی نہیں ہے۔ جب ذات باری تعالیٰ اس طرح کی وحدت سے موصوف ہے تو اس سے ایک ہی مصنوع صادر ہوگا اور وہ مصنوع عقل اول ہے۔ جب موجودات عالم میں کثرت موجود ہے تو خواہ مخواہ ان کو کثرت اسباب بھی تسلیم کرنا پڑا۔ ہم نے اس جگہ جو تقریر کی ہے فلسفہ کی کتابوں میں اس کی توضیح تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ پس محقق دوانی نے جو یہ بیان کیا ہے کہ حکماء کا یہ مذہب ہے کہ سب حوادث کا فاعل وخالق اللہ تعالیٰ ہے قابل بحث ہے۔ کیونکہ حکماء نے کہیں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مصنوع کا بلا واسطہ فاعل ہے۔ اگر شفا کے بحثوں میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حکماء کی رائیں اس وجہ سے سخت پیچیدہ ہوگئی ہیں کہ انھوں نے شر وقبح کو خدا کا مصنوع سمجھنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر ذات بالذات ہے اس سے شر وقبح کا صادر ہونا محال ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو دوسری کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس مختصر میں اسی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے کے بیان میں۔ سب مسلمانوں نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے مگر سننے اور دیکھنے کے معنوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ فلاسفہ وکعبی وابوالحسین بصری کا یہ خیال ہے کہ سمیع سے عالم مسموعات اور بصیر سے عالم مبصرات مراد ہے محقق دوانی کہتے ہیں کہ ابوالحسن اشعری کی بھی یہی رائے ہے جمہور اہل سنت اور بعضے معتزلہ وکرامیہ کا یہ مذہب ہے کہ صفت سمع وبصر صفت علم سے علیحدہ ہے اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ موصوف ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان صفتوں سے موصوف نہ ہوگا تو ان کے اضداد سے موصوف ہوگا اور ظاہر ہے کہ سمع کی ضد بہرا پن ہے اور بصر کی اندھا ہونا ہے اگر معاذ اللہ باری تعالیٰ ان صفات سے موصوف ہوگا تو نقصان ذات باری تعالیٰ لازم آئے گا اور یہ ثابت ہوا ہے کہ ذات باری تعالیٰ سب صفات کاملہ سے موصوف ہے لہذا ان صفات ناقصہ سے موصوف نہیں ہے تو بالضرور صفت سمع وبصر سے موصوف ہوگا۔

فصل۔ اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے۔ مسلمانوں نے اتفاق کیا ہے کہ صفت کلام سے اللہ تعالیٰ موصوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (النساء۱۶۴) اور اسی پر سب انبیاء

علیہم السلام کا اجماع ہے۔اور یہ خبر متواتر ہے۔لیکن کلام کے معنی میں اختلاف ہے معتزلہ بیان کرتے ہیں کہ اس جملہ کے کہ اللہ متکلم ہے یہ معنی ہیں کہ اللہ موجد کلام ہے جو خاص خاص معنی پر دلالت کرتا ہے اور اس کلام کی ایجاد مخصوص اجسام میں ہوتی ہے مثلاً درخت ایمن یا قلب نبی۔کرامیہ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اصوات وحروف کی جنس سے ہے اور باوجود اس اعتراف کے یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام قدیم ہے حنابلہ کا بھی یہی خیال ہے۔کرامیہ وحنابلہ کا خیال اس وجہ سے لغو ہے کہ اگر کلام حروف واصوات سے مرکب ہوگا تو حروف واصوات میں بالضرور تقدیم وتاخیر ہوگی۔اور جس مرکب کے اجزأ میں تقدیم وتاخیر زمانی ہوتی ہے وہ مرکب حادث ہوتا ہے پس کلام اللہ اس وجہ سے کہ حروف واصوات سے مرکب ہے اور ان میں تقدیم و تاخیر موجود ہے حادث ہوگا۔معتزلہ کا خیال بھی لغو ہے کیونکہ لغۃً وعرفاً یہ ثابت نہیں ہے کہ متکلم کے معنی موجد کلام کے ہیں۔اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے اور اس سے کلام نفسی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے۔یہ بحث نہایت دقیق ہے اسکی تفصیل بڑی کتابوں میں ملے گی۔

فصل۔ قرآن مجید کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔اصحاب رسول اللہ ﷺ اور تابعینؒ نے اتفاق کیا ہے کہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں صحابہؓ سے بہت سی روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ قرآن مجید کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔امام اعظم وامام ابو یوسف کا چھ مہینے مناظرہ ہوکر یہ بات قرار پائی کہ قرآن مجید غیر مخلوق ہے۔غرض چاروں ائمہ مجتہدین اور دیگر علماء اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ قرآن مجید غیر مخلوق ہے۔قرآن مجید کی تنزیل اور اس کی نظم وتالیف سے معتزلہ نے جو یہ خیال کیا ہے کہ قرآن مجید حادث ہے غلط ہے کیونکہ یہ استدلال ان لوگوں پر ہوسکتا ہے جو نظم وتالیف کے قدم کے قائل ہیں۔مثلاً حنابلہ وکرامیہ وغیرہ مگر اہل سنت پر یہ اعتراض اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ اہل سنت ان چیزوں کے حدوث کے قائل ہیں۔اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ کلام اللہ دو چیزوں میں مشترک ہے۔کلام نفسی۔کلام لفظی۔ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدیم ہے اور کلام لفظی حادث اور سورتوں اور آیتوں سے مرکب ہے۔غرض کلام لفظی کے حادث ہونے میں اہل سنت کو جھگڑا نہیں ہے۔شیخ ابوالحسن اشعری اور جمہور اہل سنت کے پاس کلام نفسی سے وہ معنی مراد ہے جو نفس متکلم کے ساتھ قائم ہے۔پس کلام اللہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اس میں ترتیب اور تقدیم وتاخیر نہیں ہے۔یہی قدیم وازلی ہے۔قرآن مجید میں اوامر ونواہی واخبار جو موجود

ہیں حادث نہیں ہیں۔ بلکہ یہ چیزیں جن سے متعلق ہیں وہ حادث ہیں۔و اللہ اعلم

فصل۔اسماء اللہ توفیقی ہیں۔اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان ہی اسماء سے پکارنا اور ذکر کرنا چاہئے جن کا ذکر شرع شریف نے کیا ہے۔معتزلہ اور کرامیہ بیان کرتے ہیں کہ جس چیز سے عقلاً اللہ موصوف ہو سکتا ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے۔امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ اطلاق بطور توصیف درست ہے۔مگر تسمیہ کے طور پر درست نہیں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے۔اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ جل شانہ سے دیدار کی درخواست کی تھی چنانچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر کیا ہے۔رب ارنی انظر الیک (الأعراف ۱۴۳) وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز نہ ہوتا اور محال ہوتا تو حضرتؑ کے سوال سے طلب محال لازم آتی۔اور طلب محال کو جہالت لازم ہے اس تقدیر پر معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جہالت لازم آتی ہے اور جاہل شخص منصب نبوت کے لایق نہیں ہوتا کیونکہ نبوت سے انسان کی ہدایت مقصود ہے اور جاہل شخص سے ہدایت ممکن نہیں ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ نبی مرسل ہیں۔آپ کا شمار ان پیغمبروں میں ہے جو اولوالعزم ہیں جب آپ نے اپنے اللہ سے رویت کی درخواست کی ہے تو اس سے رویت باری تعالیٰ کا امکان ثابت ہوتا ہے۔اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جواب موسیٰؑ کو ملا ہے اس سے بھی امکان رویت باری تعالیٰ ثابت ہے۔چنانچہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے قال لن ترانی ولا کن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی (الأعراف ۱۴۳) یعنی تم مجھے نہ دیکھو گے لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر جمع رہے گا تو تم مجھے دیکھ لو گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو پہاڑ کے اپنی جگہ جمے ہوئے رہنے پر موقوف رکھا ہے اور تجلی باری تعالیٰ کے وقت میں پہاڑ کا اپنی جائے پر جمع رہنا ممکن ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف ہوتی ہے ممکن ہوتی ہے تو رویت باری تعالیٰ بھی اس وجہ سے کہ استقرار جبل پر موقوف ہے ممکن ہے۔پس اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مومنین دار آخرت میں خدا کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں۔

معتزلہ امکان رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں اور آیت مذکورہ میں اہل سنت سے بحث کرتے ہیں۔

علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے انموذج میں ذکر کیا ہے کہ حرف لن جو فعل مضارع کا ناصب ہے تاکید و تابید نفی پر دلالت کرتا ہے۔ جب لن کے یہ معنی ہیں تو لن ترانی میں بھی یہی معنی ہوں گے۔ یعنی اس سے موسیٰ ؑ کے حق میں ہمیشہ کے لئے رویت منتفی ہو جائے گی کیونکہ لن نفی تاکیدی اور نفی دائمی کے لئے موضوع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ جار اللہ زمخشری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ لن تاکید و تابید نفی پر دلالت کرتا ہے کسی امام النحو سے مروی نہیں ہے بلکہ سب ائمہ نحو کا یہ بیان ہے کہ لن نفی مستقبل پر دلالت کرتا ہے نہ اس دلالت میں تاکید نفی ہے اور نہ دوام نفی ہے۔ چنانچہ مغنی اللبیب میں علامہ جمال الدین ابن ہشام انصاری نے ذکر کیا ہے۔ **بانها لا تفید تابید النفی و توکیده خلافا للزمخشری فی الکشاف و انموذجه و کلا هما دعوی بلادلیل** . حرف لن نہ دوام نفی کا فایدہ دیتا ہے اور نہ تاکید نفی کا۔ زمخشری نے اس کا خلاف کیا ہے اور یہ اس کے دونوں دعوے بلا دلیل ہیں۔ غرض ائمہ نحاۃ نے کہیں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ لن ان دونوں معنوں کے لئے موضوع نہیں ہے بلکہ صرف نفی کا فائدہ دیتا ہے پس لن ترانی میں بھی جو لن ہے اس سے اس بات پر دلالت نہیں ہوسکتی کہ حضرت موسیٰ ؑ کو کبھی رویت باری تعالیٰ نہ ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ حضرت ؑ کو اس کے بعد دوسرے زمانہ میں رویت ہوگئی ہو۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ لن یقوم زید تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ زید نہیں کھڑا رہے گا یہ معنی نہیں ہیں کہ زید قیامت تک بیٹھا ہی رہے گا بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں سے کسی زمانہ میں اٹھ کھڑا ہو۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے **یفعل مایشاء** (آل عمران ۴۰) **یحکم ما یرید** (المائدہ:۱) اور حدیث صحیح میں مروی ہے کہ ماشاء اللہ کان و مالم یشالم یکن یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ فاعل مختار ہے چنانچہ اس کا بیان فصل قدرت میں کیا گیا ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **یضل من یشاء و یهدی من یشاء** (النحل۔۹۳، فاطر۔۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی ہدایت چاہتا ہے اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور جس کی گمراہی چاہتا ہے اس کے دل میں کفر پیدا کرتا ہے کسی شخص میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنی کوشش سے مومن بن جائے یا اپنے کو پرہیزگار بنالے بلکہ پہلے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ ہدایت کا راستہ دیکھتا ہے اور مومن ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ مومن کا ایمان اور کافر کا کفر اور گناہگار کا گناہ اللہ کے ارادہ اور خلق پر موقوف ہے۔مگر اللہ ایمان اور پرہیزگاری سے راضی ہے کفر سے راضی نہیں ہے چنانچہ فرماتا ہے **ولا یرضی بعبادہ الکفر** اور اس طرح گناہ سے بھی راضی نہیں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے یعنی اپنی ذات وصفات وفعل میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔اور اسی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے مثلاً لطف وصلاح بندگان عبادت پر ثواب اور گناہ پر عذاب بھی اللہ پر واجب نہیں ہے بلکہ بندہ کو ثواب دینا اس کے فضل پر موقوف ہے اور معصیت پر عذاب دینا عدل ہے۔اور اسی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل غرض سے خالی ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس شخص کو عذاب دینا واجب ہے کہ جس سے گناہ کبیرہ صادر ہو اور توبہ نہ کر کے مرگیا ہو اس کے لئے عفو حرام ہے۔خوارج کا بھی یہی مذہب ہے۔اہل سنت کہتے ہیں کہ اگر واجب کے یہ معنی ہیں کہ اس فعل کا تارک مذموم ہے تو یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک اور سب مخلوق اس کی ملک ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے پس کسی فعل پر اس کی مذمت نہیں ہوسکتی۔اور اگر واجب سے وہ فعل مراد ہے کہ وہ فعل حکمت کے مطابق ہے تو ہم یہ یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے مگر انسان اس کے حکمتوں کو سمجھ نہیں سکتا غرض اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور گناہگاروں کے عذاب کی کلام مجید میں جو وعید فرمائی ہے اگر اس وعید کے مطابق ان کو عذاب دے گا تو عدل ہوگا اور اگر عفو فرمائے گا تو کوئی محال لازم نہیں آئے گا۔کیونکہ مجرم کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے حق کو چھوڑ دے اور اپنے وعید کے خلاف عمل کرے یعنے اس کا گناہ معاف کردے تو یہ فعل جمیل ہوگا۔ہاں وعدہ کا خلاف جائیز نہیں ہے کیونکہ وعدہ سے دوسرے کا حق متعلق ہوتا ہے اور اس کے خلاف سے اس کا حق باطل ہوجاتا ہے پس وعدہ کا ایفاء جمیل ہے اور وعید کا خلاف محمود ہے اور نیز یہ کہنا بھی جائیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عفو وغفران کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء** (النساء۔۴۸) یعنے اللہ تعالیٰ شرک کے سوا جس کے چاہے سب گناہوں کو بخش دے گا۔جب اللہ تعالیٰ نے بندے کے سب گناہوں کو جب کہ وہ مشرک نہیں ہے بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو اس وعدے کے مقابلہ میں سب وعیدیں مضمحل ہوجائیں گی مگر یہ وعدہ دراصل تفضّل ورحمت ہے حق واجب نہیں ہے چنانچہ اس کی بحث گزر چکی۔

اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض بھی نہیں ہے کیونکہ غرض وہ چیز ہے جو فاعل کو کسی فعل پر برانگیختہ کرتی ہے اور فاعل کے فعل کی وہی چیز محرک ہوتی ہے یعنے فاعل میں اولاً اس غرض کا تصرف ہوتا ہے اور اس غرض کی تحصیل کے لیے فاعل اس فعل کو کرتا ہے اور اگر بالفرض وہ غرض حاصل نہ ہو تو فاعل اس غرض میں ناکام اور مضطرب رہتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ ان سب فاعلوں کی یہی حالت ہے جو کسی غرض سے کام کرتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں یہ غرض متصرف اور موثر ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی ذات متاثر ہوگی۔اس صورت میں دو امر لازم آتے ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بالفعل کامل نہیں ہے بلکہ اغراض کے حصول کے بعد کامل ہوتی ہے اور یہ بات باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بالفعل کامل ہے اور اس کا کوئی کمال منتظر نہیں۔دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو چیز ہے وہ ممکن ہے۔پس غرض بھی ممکن ہے اور جو ممکن ہے ممکن بذاتہ ہے موثر نہیں ہے پس غرض اس وجہ سے کہ ممکن ہے موثر نہیں ہوسکتی۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل غرض سے منزہ ہے ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں حکمت ہے لیکن بعضے افعال کی حکمت عقل انسانی پر ظاہر ہوتی اور بعضے افعال کی حکمت ظاہر نہیں ہوتی اور وہ اس کے دریافت کرنے میں قاصر رہتی ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے **ومامن دابّة فی الارض الاّ علی الله رزقھا۔**(ھود:٦) پس بندہ کو جو کچھ رزق ملتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا رزاق ہے۔رزق سے وہ چیز مراد ہے جس سے کوئی زندہ چیز اپنی بقا میں نفع پاسکے اور بعضوں نے رزق کی تعریف میں تخصیص کی ہے اور بیان کیا ہے کہ رزق وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حیوان کو ملتی ہے اور وہ اس کو کھالیتا ہے۔رزق کے دو قسم ہیں۔رزق حلال، رزق حرام۔رزق حلال وہ ہے جس کا ذریعہ کسب شرعی ہو۔ رزق حرام وہ ہے جس کا ذریعہ کسب شرعی نہ ہو۔اہل سنت کے پاس ان دونوں پر رزق صادق آتا ہے اور وہ ان دونوں کو رزق کہتے ہیں اور یہی بات حق ہے۔معتزلہ کا بیان ہے کہ حرام چیز رزق نہیں ہے اور رزق کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ یا ملک ہے یا ایک نفع بخش چیز ہے۔یہ تعریف ان کے مطلب کے موافق نہیں ہے۔ پہلی تعریف پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کا رزاق نہیں کیونکہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور یہ بات خلاف آیۃ کریمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما من دابة الخ** ۔اور دوسری تعریف پر یہ

اعتراض ہوتا ہے کہ حرام چیز سے بھی انسان نفع پا سکتا ہے پس وہ رزق ہونا چاہئیے حالانکہ حرام چیز ان کے پاس رزق نہیں ہے۔غرض معتزلہ کا خیال اس مسئلہ میں بہت لغو ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ ممیت ہے۔ یعنے ہر چیز کے لیے موت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے اس کے وقت میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اذا جآء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** ۔(الأعراف ۔۳۴) معتزلہ کہتے ہیں کہ مقتول کی موت اور نیز بعضے اسباب ظاہری سے جو جاندار مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حیات کو قطع کردیتا ہے کیونکہ اگر یہ اسباب اس پر وارد نہ ہوتے تو وہ نہ مرتا اور کعبی کا یہ خیال ہے کہ مقتول کے لئے دو اجل ہیں قتل، موت یہ دونوں خیال لغو ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں ہر چیز کی مدت حیات مقرر کردی ہے جب یہ مدت ختم ہوجاتی ہے عام ازیں کہ اس کا اختتام قتل سے ہو یا پانی میں ڈوبنے سے یا آگ میں جلنے سے یا کسی درندہ جانور کے زخمی کرنے سے ہو موت آجاتی ہے اور اس ساعت میں کسی طرح تقدیم وتاخیر نہیں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ضار اور نافع بھی دو اسم ہیں کسی جاندار کو جو کچھ نفع یا ضرر پہنچتا ہے۔اس کے کسب سے نہیں پہنچتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے۔ پس تجارت وزراعت وغیرہ میں نفع یا ضرر ہونا یا اشیاء کا سالم رہنا یا ٹوٹ جانا یا کسی حیوان وانسان کا صحیح یا مریض رہنا سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور سب نفع و ضرر اللہ تعالیٰ کے خلق سے وجود میں آیا ہے حاصل یہ کہ عام نفع وضرر اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔

☆☆☆

دوسرا باب

ملائکہ کے بیان میں

فصل۔ ملائکہ کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و **اذقلنا للملئکة اسجدوا** اور نیز بہت سی آیتوں میں ملائکہ کا ذکر کیا ہے۔ ملائکہ کے جثّے بہت ہی لطیف ہیں اسی وجہ سے ہر انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ جس شکل میں چاہتے ہیں متشکل ہو سکتے ہیں حکماء کہتے ہیں کہ ملائکہ کسی مادہ سے نہیں پیدا کیے گئے ہیں بلکہ وہ مادہ سے منزہ ہیں اور اہل شرع کہتے ہیں کہ انکی پیدایش نور سے ہے انکے جثّے نورانی ہیں۔ آسمانوں سے زمین پر آتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **تنزل الملئکة و الروح فیھا باذن ربھم من کل امر**۔ (القدر۴) قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ ملائکہ مدبرات عالم ہیں یعنے اللہ تعالیٰ جس طرح ان کو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **والمدبرات امرا** غرض قرآن مجید کی آیتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ ملائکہ محض قوتیں نہیں ہیں بلکہ ایسے نفوس ہیں جو مدبر اور صاحب عقل و شعور ہیں اور انکے جثّے نورانی ہیں۔ پس انکے وجود کا اس طرح اقرار کرنا اور اعتقاد رکھنا فرض ہے اور ان کو صرف خیالی صورتیں تسلیم کرنا انکار قرآن مجید ہوگا۔

فصل۔ ملائکہ گناہ سے معصوم ہیں۔ یعنے ان سے گناہ صادر نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لایعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون** (التحریم۔٦) یعنی انکو اللہ تعالیٰ جو کچھ فرماتا ہے۔ کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

آدمؑ کی پیدائش کے وقت جو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا تھا کہ کیا تو زمین پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر فساد پھیلائے گی چنانچہ قرآن مجید میں ان کا یہ بیان اس آیت سے معلوم ہوتا ہے **اتجعل فیھا من یفسد فیھا**۔ وہ اعتراض نہیں ہے بلکہ اپنے شبہ کا اظہار ہے اور یہ اظہار اس وجہ سے ہوا ہے کہ شبہ مذکورہ دفع ہو جائے اور نیز اس قصہ میں خون ریزی کی نسبت بھی جو انسان کی طرف کی گئی ہے وہ غیبت نہیں ہے بلکہ یہ تو ہم ہے اور اپنی تسبیح و طہارت نفسانی کا جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ اظہار واقعی ہے خود بینی نہیں ہے۔

ہاروت و ماروت کا جو قصہ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہے بعضوں کی یہ رائے ہے کہ ہاروت و ماروت دو شخص بشر تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فرشتے تھے مگر ان سے معصیت کا صادر ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان میں قوت شہوانی پیدا کر دی گئی تھی اور ملائکہ سے معصیت کا صدور اس وجہ سے ممکن نہیں ہے کہ ان میں قوت شہوانی نہیں ہے اور اس پر آیت **لا یعصون الله ما امرھم** دلالت کرتی ہے اور جب ان میں قوت شہوانی پیدا ہو جائے تو معصیت کا صدور ان سے ناممکن نہیں ہے۔ باقی حصہ زہرا کے فسق اور اس کے ستارہ بن جانے کا جو مشہور ہے مہمل ہے۔

فصل۔ اس بیان میں کہ فرشتے افضل ہیں یا بشر۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں کیونکہ ان کے جثےّ لطیف اور گناہوں سے معصوم ہیں اور انسان کثیف اور گناہوں سے معصوم نہیں ہے پس لطیف کثیف سے اور معصوم غیر معصوم سے افضل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس بیان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کی فطرت لطیف ہے اور یہ بات قابل تسلیم ہے مگر بحث اس میں نہیں ہے بلکہ بحث اس میں ہے کہ ملائکہ باعتبار ثواب بشر سے افضل ہیں یا بشر ان سے افضل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان میں تین قوتیں دی گئی ہیں۔ قوت نطقیہ، قوت غضبیہ، قوت شہویہ، آخر کی دونوں قوتیں قوت نطقیہ یعنے قوت عقلیہ کی مزاحم ہیں اس مزاحمت کی وجہ سے قوت عقلیہ ہمیشہ شکنجہ میں رہتی ہے اگر انسان باوجود اس مزاحمت کے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے تو انسان کو ملائکہ سے زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ ملائکہ میں کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو ان سے نیک کام صادر ہونے کی مزاحمت کرے۔ جب ان میں اس طرح کی کوئی قوت نہیں ہے تو ان سے نیکیاں سہولت کے ساتھ صادر ہوتی ہیں اور اس وجہ سے کہ ان میں شہوانی اور غضبی قوت نہیں ہے ان سے افعال شہوانی و غضبی صادر نہیں ہوتے۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نیک انسان عام ملائکہ سے افضل ہیں اگر غور کیا جائے تو آدمؑ کا مسجود ملائکہ اور ملائکہ سے علم میں برتر ہونا انسان کے ملائکہ سے افضل ہونے پر دلیل ہے۔

فصل۔ فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سردار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انه لقول رسول کریم ذی قوۃ عندذی العرش مکین .مطاع ثم امین** (التکویر۔۱۹) اس آیۃ کریمہ میں جبرئیلؑ کے کئی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جبرئیلؑ رسول کریم ہیں دوسری یہ ہے کہ جبرئیل صاحب قوت ہیں۔ دوسری آیت میں شدید القویٰ ذکر کیا گیا ہے یعنے بڑی قوت والا تیسری یہ ہے کہ صاحب عرش (اللہ

جل شانہٗ) کے پاس مقیم ہیں چوتھی یہ ہے کہ جبرئیلؑ فرشتوں کے مطاع یعنے سردار ہیں اور فرشتے ان کے مطیع ہیں۔ پانچویں یہ کہ جبرئیلؑ امانت دار ہیں یعنے اللہ تعالیٰ سے انہیں جو کچھ القاء ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور پیغمبروں کو پہنچا دیتے ہیں۔

فصل۔ حضرت جبرئیلؑ صاحب وحی ہیں اور ممکن ہے کہ القاء والہام دوسرے ملائکہ کے ذریعہ بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و الملقیات ذکراً۔ یا وحی والقاء کی صدارت حضرت جبرئیلؑ کو ہو اور دیگر اصحاب القاء آپ کے تابع ہوں۔ میکائیلؑ تدبیر و تعیین رزق پر مامور ہیں۔ اسرافیلؑ صور پھونکنے پر مامور ہیں۔ عزرائیلؑ روحوں کے قبض پر مامور ہیں۔

فصل۔ ملائکہ صفات جسمانی سے منزہ ہیں وہ نہ مرد ہیں نہ عورت کیونکہ یہ صفتیں مادہ کے تابع ہیں۔ جب ملائکہ کے اجسام مادی نہیں ہیں تو یہ صفات بھی ان میں نہیں ہیں۔

فصل۔ جس طرح بشر کو ترقی و تنزل ہے ملائکہ کو ترقی و تنزل نہیں ہے۔ حکماء کا بھی یہی خیال ہے اور بعضے متکلمین کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ شب معراج میں جبرئیلؑ نے سردار عالم حضرت رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا لو دنوت انملة لاحترقت یعنی اگر ایک انگل بھر نزدیک ہو جاؤں تو جل جاؤں گا۔

بعض علماء نے آیۃ و ما منا الّا له لامقام معلوم سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس آیۃ سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کو اس مقام تک ترقی ممکن ہے جو کہ علم باری تعالیٰ کو معلوم ہے و الله اعلم۔

خاتمہ۔ جن کے بیان میں۔ قرآن مجید جن کے وجود پر دلالت کرتا ہے چنانچہ سورہ جن سے بعضے جنات کا ایمان لانا ثابت ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ابلیس ملائکہ میں داخل نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ قوم جن سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکان من الجن

اس امر میں اختلاف ہے کہ جنات میں پیغمبر ہوئے ہیں یا نہیں اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ قوم جن میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ بعضوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اجماع ہو گیا ہے کہ جنات میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا ہے۔ امام فخرالدین رازیؒ نے آیته یا معشر الجن و الانس الم یاتکم رسل منکم کی تفسیر میں یہ سب بیان فرمایا ہے مگر اس خیال سے کہ اس مسئلہ میں اجماع ہوا ہے امام کو اتفاق نہیں ہے۔

تیسرا باب

کُتبِ منزلہ کے بیان میں

فصل۔قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاءعلیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے اتارے ہیں چنانچہ توراۃ موسیٰؑ پراور زبور داوٗدؑ پراور انجیل عیسیٰؑ پر نازل ہوئی ہے اور ہمارے سرورکائنات محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا ہے ان سب آسمانی کتابوں میں قرآن مجید معاش و معاداور تہذیب نفوس انسانی کا زیادہ جامع ہے ان کتابوں کے علاوہ دیگر انبیاء پر مثل آدمؑ و شیثؑ و ادریسؑ و ابراہیمؑ کے صحیفے نازل ہوئے۔

فصل۔وحی کے بیان میں۔انبیاءعلیہم السلام پر کتابیں اور صحیفے وحی کے ذریعہ اُتارے گئے ہیں۔وحی کے تین قسمیں ہیں۔پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کلام کرتا ہے چنانچہ کلام مجید میں فرماتا ہے وکلّم اللہ موسیٰ تکلیما۔دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے دل پر بغیر واسطۂ ملک القاء فرماتا ہے چنانچہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما آوحی (النجم۔۱۰) اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس وحی سے وحی بلا واسطہ مراد ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے یعنی سرور کائناتؑ کو جو کچھ تعلیم کرنی تھی اس کی وحی کی۔ تیسری وہ وحی ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرشتہ کے واسطہ سے اپنے نبی کو تعلیم فرماتا ہے۔ان تینوں قسموں کی وحی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء انه علیّ حکیم (الشوریٰ۔۵۱) ان میں سے پہلی اور دوسری قسم انبیاءعلیہم السلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اولیاء اللہ کو بھی دونوں قسم کی وحییں ہوسکتی ہیں مگر تیسری قسم کی وحی جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے انبیاءؑ سے مخصوص ہے جب یہ وحییں انبیاءعلیہم السلام کو ہوتی ہیں ان میں امکان خطا نہیں ہوتا کیونکہ انبیاءعلیہم السلام خطا سے معصوم ہیں اور دلیل عقلی و نقلی ان کی عظمت پر موجود ہے اس کی بحث آئندہ باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل۔قرآن مجید سب منزل کتابوں میں جامع اور خاتم الکتب ہے۔قرآن مجید خاتم الکتب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید میں فطرت انسانی کے عام ضرورتوں کو پورا کردیا ہے اولاً عبادات کے

اصول اوران کے اسباب وشروط اوقات بتائے۔ ثانیاً ان معاملات تمدنی کے اصلاح وانتظام کے اصول بتائے جن کا وقوع بندوں کے درمیان ہوتا ہے یاان کا وقوع ممکن ہے۔ ثالثاً امور معاد کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی نیکی اور بدی مہمل و بیکار نہیں ہے بلکہ اس کے آثار انسان پر ایک دوسرے عالم میں مرتب ہوں گے۔ رابعاً تہذیب نفسانی کے اصول بھی اس کتاب مجید میں نہایت وضاحت سے ذکر کئے گئے ہیں غرض قرآن مجید میں جن حقائق ونکات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا سمجھنا اوران کے مطابق عمل کرنا فطرت انسانی کے عام ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ پس اس کتاب مجید کے بعد دوسری کتاب کی ضرورت نہ رہی لہذا قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔

فصل۔ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے بیان میں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کس اعتبار سے معجزہ ہے بعضوں نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے بعض نے کہا ہے کہ قرآن مجید اس وجہ سے معجزہ ہے کہ اس میں مکمل صلاح معاش ومعاد کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ جمہور کا قول یہی ہے کہ وہ فصاحت وبلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ خود اللہ جل شانہٗ نے اس کے اس طرح معجزہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین** (البقرۃ۔۲۳) اس کے معجزہ ہونے کے یہ معنے ہیں کہ قرآن مجید باوجود اس کے کہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اوران کو اپنی زبان دانی اور طلاقت کا اتنا دعویٰ تھا کہ اپنی گویائی کے مقابلہ میں دوسروں کو گونگا سمجھتے تھے تاہم قران مجید کی ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت کا مقابلہ اپنی زیادہ سے زیادہ کوشش کے بعد بھی نہ کر سکے۔ غرض قرآن مجید ایسی کتاب ہے کہ اس کا اعجاز قیام قیامت تک باقی ہے۔

فصل۔ قرآن مجید سب کتب آسمانی کا ناسخ ہے یعنے سب آسمانی کتابیں اور تمام اگلی شریعتیں نزول قرآن مجید کے بعد منسوخ ہوگئیں مگر قرآن مجید میں جو احکام ذکر کئے گئے ہیں ہمیشہ باقی ہیں اور باقی رہیں گے۔ انہی احکام کو ان کی تفصیلات کے ساتھ جو صحیح حدیثوں سے ثابت ہوئے ہیں شریعت محمدیہ کہتے ہیں۔

فصل۔ قرآن مجید اس اعتبار سے کہ کلام اللہ ہے اس کی حقیقت واحد ہے اور یہ ازلی وقدیم ہے امرونہی و وعدہ ووعید سے اس میں جو کثرت پائی جاتی ہے متعلقات کے اعتبار سے ہے مگر نفس کلام جو صفت الٰہی ہے اس میں کثرت نہیں ہے بلکہ وہ واحد وقدیم ہے اس مسئلہ کی تفصیل علم کلام کی بڑی کتابوں میں دیکھی جائے۔

چوتھا باب

نبوت کے بیان میں

فصل۔ نبی کے اشتقاق میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعضوں کا خیال ہے کہ نبی نبوت سے مشتق ہے اس کے معنے ارتفاع ہیں پس نبی کے معنی مرتفع ہوئے اور بعضوں کا خیال ہے کہ نبا سے مشتق ہے اس کے معنی خبر ہیں اس تقدیر پر نبی کے معنی مخبر ہیں۔ نبی سے وہ انسان مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ خلایق کی طرف بھیجتا ہے کہ ان کو وہ باتیں پہنچادے جن کی اس پر وحی کی گئی ہے۔ رسول سے مراد بھی نبی ہے مگر کبھی رسول اس شخص کو کہتے ہیں جو صاحب کتاب یا صاحب شریعت ہو۔ اس صورت میں نبی سے رسول خاص ہوگا۔ فرقہ سنیہ اور اکثر براہمہ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ حکماء نے وجود نبی کا اقرار کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ نظام عالم کے لئے نبی کی ضرورت ہے۔ ایسے شخص کو حکماء صاحب ناموس اور اس کی شریعت کو ناموس کہتے ہیں۔ حکیم افلاطون نے انبیاء کی شان میں کہا ہے **هم اصحاب القویٰ العظيمة الفائقة**۔ یعنے ان کے قوای علمی و عملی بہت ہی عظیم و فائق ہیں۔ معلم اول ارسطو نے ان کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے **هم الذين عناية الله بهم اكثر** ۔ یعنے یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ توجہ و تائید سے ممتاز ہے۔ حکماء یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کو الہام الٰہی سے چھپی ہوئی چیزوں پر اطلاع ہوجاتی ہے اور عالم کون وفساد میں تصرف کرنے پر بھی قادر ہیں۔ محقق دوانی نے اخلاق جلالی میں یہ سب بیان کیا ہے۔

فصل۔ انبیاءؑ کی پیدائش کے فوائد ہیں۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اشیاء دو قسم پر ہیں ایک یہ ہیں کہ عقل انسانی ان کو دریافت کرسکتی ہے دوسری قسم یہ ہے کہ عقل انسانی ان کو دریافت نہیں کرسکتی۔ مثلاً عبادت الٰہی کے طریقے اور ان کے اوقات اور ان کے شروط اور معاد نفسانی و جسمانی اور وہ قوانین انتظام معاش جن کا استعمال سبب اصلاح عالم ہو۔ ان سب امور میں نبی کی ضرورت ہے۔ قسم اول میں اس لئے کہ اشیاء مذکورہ کی جس طرح عقل سے معرفت ہوئی ہے دلیل سمعی اس کی تائید کرے گی۔ قسم دوم میں اس وجہ سے کہ عقل انسانی جن اشیاء کے دریافت پر قادر نہیں ہے تعلیم نبی سے ان کا انکشاف ہوجائے گا اور عقل پر سے جہالت کا

پردہ اُٹھ جائے گا۔غرض نبی کے وجود سے انسان کی معرفت میں اضافہ ہوجاتا ہے اوراس کوشکر منعم کے طریقے آسانی سے معلوم ہوجاتے اور عالم معاد کے احوال پر بھی اس کواطلاع ہوجاتی ہے۔جب یہ علوم اس کوحاصل ہوجاتے ہیں اس کانفس مہذب اوراس کی عقل منور ہوجاتی ہےاور نیز نبی کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ مکلفین قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ اگراللہ تعالیٰ کسی رسول کو ہماری ہدایت کے لئے روانہ کرتا تو ہم گمراہ نہ ہوتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انّا اھلکناھم بعذاب من قبلہ لقالواربنّا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک من قبل ان نذل و نخزی** (طہ۔۱۳۴)غرض انبیاء کامبعوث ہوناان عام فوائد کے لئے ہےاس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ملے گی۔

فصل۔انسانوں میں پہلے پیغمبرحضرت آدمؑ ہیں اور پیغمبروں کے خاتم محمدرسول اللہ ﷺ ہیں۔محقق دوانی نے ذکرکیاہے کہ بعضے برہمن آدمؑ کی پیغمبری کے قائل ہیں فرقۂ صابیہ حضرت شیثؑ وادریسؑ کی پیغمبری کے معتقد ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی نبوت کے منکر ہیں اور بعضے یہود موسیٰ کی نبوت کے سوائے سب پیغمبروں کی نبوت کاانکارکرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ ومجوس اور عام برہمن وہنود محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں۔

فصل۔حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ جملہ پیغمبرایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور بعضے روایتوں میں دولاکھ چوبیس ہزار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعضے پیغمبروں کے نام ذکر کئے ہیں اور بعضوں کے نام ذکرنہیں کئے۔ چنانچہ فرماتا ہے**منھم من قصصنا علیک و منھم من لم نقصص علیک**(غافر:۷۸)پس مومن کوصرف یہ کہدینا کافی ہے کہ میں سب پیغمبروں پرایمان لایاہوں۔ناموں کی گنتی کی ضرورت نہیں ہے۔یہ سب پیغمبرصادق ومعصوم تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں جوکچھ وحی کی تھی انہوں نے اپنی اپنی امتوں کواس کی تعلیم دی اوران کوخدا کی طرف بلایامگرانہوں نے بدبختی سے پیغمبروں کی تصدیق نہیں کی اوران کا کہانہ مانا۔

فصل۔سب انبیاءعلیہم السلام معصوم ہیں کیونکہ اگروہ معصوم نہوں گےاورکذب وغیرہ ان سے صادرہوگا تو ان کے ان اخبارواحکام میں جن کووہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلائق کو پہنچاتے ہیں امکان کذب ہوگا اس تقدیر پران کی کوئی بات قابل یقین نہوگی۔امت نے اجماع کیاہے کہ سب انبیاءشرک اورجھوٹ سے معصوم ہیں مگرفضیلہ جوخوارج سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ معاصی وکفرکاصدوران سے ممکن ہےان کے مذہب کافسادظاہر ہے کیونکہ نبی کی اتباع فرض ہے جب نبی سے معصیت اورکفریات صادرہوں تواس کی اتباع کیونکرفرض

ہوگی۔جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاءؑ چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہیں اور اس امر میں اختلاف ہے کہ نبوت سے پہلے چھوٹے گناہوں سے معصوم ہیں یا نہیں فرقۂ شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کے پہلے بھی چھوٹے اور بڑے گناہوں سے معصوم ہیں۔اہل سنت کہتے ہیں کہ بطور سہو چھوٹے گناہوں کا ان سے صدور ممکن ہے مگر ان گناہوں پر ان کو استقرار نہیں ہوتا۔ان کو بہت جلد اطلاع ہو جاتی ہے اور توبہ کر لیتے ہیں۔

فصل۔معجزہ کے بیان میں۔معجزہ سے وہ امر مراد ہے جو مدعی نبوت سے بطور خلاف عادت صادر ہو جس کے معارضہ سے منکرین نبوت عاجز ہو جائیں۔علماء نے معجزہ کی سات شرطیں بیان کی ہیں۔پہلی شرط یہ ہے معجزہ خلاف عادت ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا معارضہ دشوار ہو۔تیسری شرط یہ ہے کہ معجزہ اس وقت صادر ہو جس وقت کہ نبی نے اس کے صدور کا دعویٰ کیا ہے چوتھی شرط یہ ہے کہ نبی کے دعویٰ کے مقارن ہو۔پانچویں شرط یہ ہے کہ جو چیز نبی سے ظاہر ہو نبی کے دعوے کے مخالف نہو اور اس کے دعوے کو نہ جھٹلا دے۔چھٹی شرط یہ ہے کہ معجزہ دعوے سے پہلے نہو کیونکہ وہ خوارق عادات جو دعوے نبوت کے پہلے کسی سے صادر ہوتے ہیں ان کو کرامات کہتے ہیں۔حکماء کہتے ہیں کہ معجزات و کرامات اسباب سے صادر ہوتے ہیں مگر ان اسباب کا علم عوام کو نہیں ہوتا چنانچہ شیخ الرئیس کی یہی رائے ہے اور اکثر حکماء کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ ہیولاء عناصر انبیاء کا زیر فرمان ہوتا ہے لہذا انبیاء جو چاہتے ہیں اس پر تصرف کرتے ہیں۔اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے مگر اس فعل کا ظہور نبی کی درخواست پر موقوف ہے۔

فصل۔انبیاء کے دو قسم ہیں صاحبِ شریعت، تابع شریعت۔صاحب شریعت وہ انبیاء ہیں جن کی نئی شریعت ہو اور منجانب اللہ اس کا نزول کتاب جدیدہ صحیفہ جدیدہ کے ذریعہ سے ہوا ہو مثلاً شریعت حضرت آدمؑ و شریعت نوحؑ و شریعت ابراہیمؑ و شریعت موسیٰؑ و شریعت عیسیٰؑ و شریعت سرکار عالم محمد رسول اللہ ﷺ۔ان میں سے حضرت عیسیٰؑ کی شریعت موسیٰؑ کی شریعت کی متمم ہے ناسخ نہیں ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبین کی شریعت سب سابق کے شریعتوں کی ناسخ ہے اور تابعان شریعت وہ انبیاء ہیں جو نبی سابق کی شریعت پر عمل کرتے ہیں مثلاً انبیاء بنی اسرائیل و داؤدؑ شریعت موسیٰؑ پر عمل کرتے تھے صاحبانِ شریعت ان انبیاءؑ سے افضل ہیں جو تابعانِ شریعت ہیں۔

فصل۔انبیاءؑ کی شریعتوں میں کئی چیزوں کا بیان ہوتا ہے۔پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور

اس کی صفات پر ایمان لانا دوسری یہ ہے کہ فرشتوں پر جس طرح کے ہم نے باب ملائکہ میں ذکر کیا ہے ایمان لانا تیسری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترے ہوئے اور ان کا غیر مخلوق ہونا تسلیم کرنا۔ چوتھی سب پیغمبروں پر اس طرح ایمان لانا فرض ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ یہ سچے ہیں جو کچھ تعلیم فرماتے ہیں اس میں سر موخطا نہیں ہے۔ پانچویں حشر وثواب وعذاب، جنت، دوزخ پر ایمان لانا چھٹی اعتقاد رکھنا کہ ہر ایک نیکی و بدی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ ساتویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن عبادتوں کی تعلیم کی ہے ان کو بجالانا۔ آٹھویں اللہ تعالیٰ نے باہمی معاملات کی اصلاح جن اصول سے کی ہے ان اصول کے مطابق عمل کرنا۔ نویں ان امور کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو تہذیب اخلاق وتزکیہ نفسانی سے متعلق ہیں۔ دسویں اللہ تعالیٰ نے گذرے ہوئے امتوں کی اطاعت ونافرمانی کے جو اخبار ذکر فرمائے ہیں ان کی تصدیق کرنا۔ گیارہویں بعضے امثال وحکم بھی اسمانی کتابوں میں مندرج ہیں ان کی سچائی کا دل میں اعتقاد رکھنا۔ بارہویں اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو حق جاننا۔ مخفی نہ رہے کہ یہ اصول سب انبیاءؑ کی شریعتوں میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

فصل۔ سب انبیاءؑ جو رسول اللہ ﷺ کے پہلے گذرے ہیں اگرچہ افراد انسان کی ہدایت کے لئے پیدا ہوئے ہیں مگر سب افراد انسان کی ہدایت ہر ایک نبی کے ذمہ نہیں کی گئی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک نبی ایک خاص قطعہ زمین پر پیدا ہوا ہے اور اسی قطعہ کے انسانوں کی ہدایت کرتا ہے یا کسی خاص قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام مصریوں اور فرعون کو ہدایت کرنے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت ھود علیہ السلام قوم عاد کی طرف اور حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود اور اس کی قوم کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام موتفکات پر یعقوب زمین کنعان پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین شام پر روانہ کئے گئے تھے اور انہی مقامات کے اقوام پر ان پیغمبروں نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور ان قوموں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت وبندگی کی طرف بلایا۔ حاصل یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوائے کوئی پیغمبر سب افراد انسان کی ہدایت کرنے پر مامور نہیں تھا۔

فصل۔ سرکار عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بیان میں۔ آنحضرت ﷺ دعویٰ نبوت کے پہلے ان

اخلاقِ حمیدہ سے موصوف تھے جو اجناس فضائل ہیں یعنے حکمت، عفت، شجاعت، عدالت باوجودے کہ عرب کی قوم جاہل واُمی تھی تاہم آپ کے اس خجستہ اخلاق کی شیدا تھی۔ آپ کو نہایت مہذب سچا اور امین سمجھتی تھی۔ آپ کی ہمدردی صلہ رحمی قبائل عرب میں مشہور تھی اسی طرح آپ کی طہارت و پرہیزگاری کا بھی سب کو اعتراف تھا۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور آپ نبی ہوگئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا وانذر عشیرتک الا قربین یعنی تو اپنے نزدیک کے رشتہ داروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی دے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا پر چڑھکر اپنی قوم کو پکارا جب سب ہاشمی حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں اگر تم میرا کہا مانو گے تم کو اللہ تعالیٰ عذاب سے بچادے گا۔ اس دعوے سے عرب منتشر ہوگئے اور آپ کو برا بھلا کہہ کے اپنی راہ لی

علماء نے بیان کیا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور طلب پر معجزات ظاہر کئے اور یہ دونوں خبریں متواتر ہیں ان کی تصدیق فرض ہے۔ آپ کے سب معجزوں میں قرآن مجید زبردست معجزہ ہے۔ زمانہ نزول سے اب تک مخالفین اسلام نے اس کے معارضہ میں کوششیں کیں تاہم وہ ناکامیاب رہے اور قرآن مجید کے دعوے فاتوا بسورة من مثله و ادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صادقين کے بعد بھی اُن سے یہ نہو سکا کہ ایک مختصر آیت ایسی پیش کرتے جس کی فصاحت و بلاغت قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت سے معارضہ کرسکتی اس عظیم الشان معجزہ کے علاوہ اور معجزات مثلاً شق القمر اور حیوانات کی گفتگو اور ایک کٹورے بھر پانی سے ایک بڑے قافلہ کا سیراب ہوجانا وغیرہ اس قدر صادر ہوئے ہیں کہ ان کے قدر مشترک کا تواتر ثابت ہوتا ہے پس آپ کی دعوت اور آپ سے معجزات کا صدور آپ کے نبی ہونے پر واضح دلیل ہے۔

فصل۔ رسول اللہ ﷺ عام افراد انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا ارسلناک کافة للناس بلکہ آپ جن وانس کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بعثت الیٰ الاحمر و الا صفر بلکہ سورہ جن بھی دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت جن کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اسی وجہ سے آپ نے ان کو اسلام کی طرف بلایا اور ان میں سے بعضوں نے آپ کی تصدیق کی اور مسلمان ہوگئے۔

فصل۔ اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما کان محمد ابا

احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین (الأحزاب ۔۴۰) اس آیت کریمہ سے آنخضرتؐ پر نبوت کا اختتام ہوگیا اور آپ کے بعد کوئی شخص نبی نہ ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو اپ کی شریعت پر جو خاتم الشرائع ہے عمل کریں گے اگر چہ آپ نبوت سے معزول نہیں مگر اس وجہ سے کہ آپ کی شریعت قرآن مجید کے نزول کے بعد منسوخ ہوگئی ہے۔ آپ تابع شریعت محمدیہ رہیں گے یہی حالت حضرت مہدی علیہ السلام کی ہے۔ آپ بھی شریعت محمدیہ کے تابع تام ہیں۔

یہود کا یہ بیان کہ شریعت موسیٰؑ ہمیشہ رہے گی صحیح نہیں ہے کیونکہ تورات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی ہے کہ فاران کے پہاڑوں سے ایک نبی ظاہر ہوگا اور اس کی شریعت آتشین ہوگی اور تورات کے سفر اول میں یہ مذکور ہے لھاجرۃ انھا تلدویکون من ولد ھامن یدہ فوق الجمیع یعنی ہاجرہ کی اولاد سے ایک بچہ ہوگا جس کا ہاتھ سب افراد انسان کے ہاتھوں پر ہوگا۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عظیم الشان نبی حضرت موسیٰؑ کے بعد پیدا ہوگا فاران سے ظاہر ہوگا اور وہ صاحب شریعت بھی ہوگا اور اسماعیلؑ کی اولاد سے ہوگا۔ یہ عبارتیں یہود کے بیان مذکور کو جھٹلاتی ہیں۔ اب بحث یہ ہے کہ شریعت موسیٰؑ کے ساتھ ابدی کی قید ہوگی یا وقت معین کی قید ہوگی یا کوئی قید نہوگی اگر ابدی کی قید ہے تو خود تورات کی تکذیب لازم آتی ہے اور اگر وقت معین کی قید ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر مطلق ہے تو بیان مذکور کی بغیر دلیل تقیید لازم آتی ہے۔ غرض یہود کا بیان مذکور قابل اعتبار نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور آپ کی شریعت ہمیشہ باقی ہے۔

فصل۔ اس بیان میں کہ آنخضرتﷺ شافع ہیں۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہﷺ ان مومنین کی شفاعت فرمائیں گے جن سے بڑے گناہ صادر ہوئے ہوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے ادخرت شفاعتی لاھل الکبا یر من امتی۔ معتزلہ شفاعت رسولﷺ کا انکار کرتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں واتقوایوما لا تجزی نفس عن نفس شیًٔاولا یقبل منھا شفاعۃ (البقرۃ ۔۴۸) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کفار کی شان میں ہے عام نہیں ہے اور اگر عام فرض کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے آنخضرتﷺ سے جو وعدہ فرمایا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (الضحیٰ ۵) کا خلاف لازم آئے گا کیونکہ اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کی اتنی درخواستیں قبول

فرمائے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ آپ کبیدہ خاطر ہونگے اس تقدیر پر فترضیٰ کے مفہوم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ پس آیت واتقوا یوماً کی بہ تقدیر عموم اس آیت سے تخصیص ضرور ہے۔

فصل۔ آنحضرت ﷺ سب پیغمبروں میں افضل ہیں اور اس کی چند وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ امت کی بہتری نبی کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ان کی جو کچھ بہتری ہے نبی کی تعلیم وارشاد پر موقوف ہے پس ان کی خیریت ان کی نبی کی خیریت کی وجہ سے ہے جب امت رسول اللہ ﷺ سب امتوں سے بہتر ہے رسول اللہ کا سب رسولوں سے بہتر ہونا ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام فخر الدین رازی نے معالم اصول دین میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اوصاف حمیدہ بیان فرمانے کے بعد نبی ﷺ کو یہ ارشاد کیا اولئک الذین هدی الله فبهد اهم اقتده (الأنعام۔۹۰) رسول اللہ ﷺ نے سب خصائل حمیدہ کی جو انبیاء علیہم السلام میں تھے اقتدا کی اور ان کے جامع ہو گئے پس جامع ان لوگوں سے افضل ہوتا ہے کہ جن میں یہ خصائل اکٹھے نہیں ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی دعوت سب افراد جن وانس پر ہے پس ان پیغمبروں سے آپ افضل ہیں جن کی دعوت ایسی عام نہیں ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ آپ صاحب شفاعت ہیں اور کوئی نبی صاحب شفاعت نہیں ہے چنانچہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ سابق کی امتیں جب اپنی شفاعت کی درخواست اپنے انبیاء سے کریں گے تو وہ یہی جواب دیں گے تم محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤ۔ ان وجوہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔

فصل۔ معراج رسول اللہ ﷺ کے بیان میں۔ مکہ سے بیت المقدس تک آپ کو معراج ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ سبحان الذّی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل۔۱) اتنی معراج کے معتزلہ بھی قائل ہیں۔ اور مسجد اقصیٰ سے جو آسمانوں پر معراج ہوئی ہے وہ یہی آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے معالم اصول دین میں لکھا ہے وامّا من المسجد الاقصیٰ الیٰ ما فوق السمٰوت فلقولہٖ لترکبن طبقا عن طبق ولحدیث المشھور۔ یعنی مسجد اقصیٰ سے جو آسمانوں پر آپ کو معراج ہوئی ہے آیت۔ لترکبن الخ اور حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہشیاری میں اور آپ کے جسم مطہرہ

شریف کے ساتھ معراج ہوئی ہے اور یہی مذہب جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ مگر عائشہ صدیقہؓ اور معاویہؓ کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ علاّمہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں ذکر کیا ہے۔ **فقوله فی الیقظة اشارة الیٰ الرّد علیٰ من زعم انّ المعراج کان فی المنام علیٰ ماروی عن معاویه انّه سئل عن المعراج فقال کانت رویا صالحة وروی عن عائشه**ؓ **انها قالت ما فقد جسد محمد لیلة المعراج** یعنی حضرت معاویہؓ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ معراج رویاء صالحہ ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول ہے کہ معراج جسم سے نہیں ہوئی بلکہ روح سے ہوئی ہے جمہور صحابہؓ کا یہ مذہب نہیں ہے جو ان صحابیوں کا ہے بلکہ جمہور کا یہ مذہب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جسم شریف سے اور ہشیاری میں معراج ہوئی ہے۔ علاّمہ تفتازانی کہتے ہیں کہ اگر معراج خواب میں یا روح سے ہوتی تو مشرکین کو انکار کا زیادہ موقع نہ ملتا اور نہ ایک گروہ مسلمانوں کا کافر ہو جاتا۔

فلاسفہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آسمان میں خرق والیتام ممکن ہے لہذا وہ معراج کے قائل ہی نہیں ہیں مگر جب انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ہر جسم میں کون وفساد ممکن ہے اور آسمان کو بھی ایک جسمانی مخلوق تسلیم کیا ہے تو پھر اس میں کون وفساد وخرق والیتام نہ ہونے کے کیا معنی۔ اس زمانہ میں ہم کو ان جوابوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ کے فلسفہ میں وجود آسمان مشتبہ ہے۔

پانچواں باب

خلافت کے بیان میں

فصل۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ علامہ عضد الدین نے مواقف میں ذکر کیا ہے اما النص فلم یوجد یعنی کسی صحابی کے حق میں خلافت کی نص نہیں ہے۔ ابوشکور سالمی نے تمہید میں ذکر کیا ہے قال اهل السنة والجماعة الامامة ما کانت منصوصة لاحد۔ یعنی سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ امامت یعنی خلافت کسی کے حق میں منصوص نہیں ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر فرمایا ہے ذهب اصحابنا والمعتزلة والخوارج الیٰ ان النّبی ﷺ لم ینص علی امام بعده۔ علامہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی اہل سنت و معتزلہ وخوارج کا یہ مذہب ہے کہ نبیؐ نے اپنے بعد کسی پر نص خلافت نہیں کی ہے محصل میں امام فخر الدین رازیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ انّ الدلیل دل علیٰ امامة ابی بکرؓ وما کان لتلک الا مامة سبب الّا البیعة اذ لو کان منصو صا علیه فکان تو قیفه الامر علی البیعة خطاء عظیما یقدح فی امامتهٖ وذلک باطل فوجب کون البیعة طریقاً صحیحاً یعنی امامت ابوبکر صدیقؓ کے لئے بیعت کے سوائے کوئی سبب نہیں ہے کیونکہ اگر امر خلافت منصوص ہوتا تو بیعت پر اس کا توقف خطا سے خالی نہ تھا پس بیعت ہی ثبوت امامت کے لئے طریق صحیح ہے۔ ان اقوال سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا پس بقول امام رازیؒ مہاجرینؓ وانصارؓ کا ابوبکر صدیقؓ سے بیعت کرنا سبب خلافت وامامت صدیقؓ ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کے پاس خلیفہ کا قائم کرنا امت پر واجب ہے کیونکہ احکام شرعیہ کی تنفیذ اور سیاستوں کا اجرا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت وامامت کا قائم کرنا اللہ پر واجب ہے۔

فصل۔ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیان میں۔ صدیقؓ کی خلافت اجماعاً ثابت ہے عقائد عضدی میں مذکور ہے ثبتت امامته بالاجماع اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ وفاتِ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ سقیفۂ نبی ساعدہ میں جمع ہوئے انصار نے مہاجرین سے کہا کہ مناسب ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ایک ایک امیر

بنالیا جائے۔ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے امرا ہونگے اور تم میں سے وزراء اور اس پر حدیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال فرمایا الا ئمة من قریش ۔یعنی ائمہ سب قریش ہونگے ۔اس کے بعد صحابہ نے ابوبکرؓ کی طرف مراجعت کی اور اجماع کیا کہ آپ خلیفہ ہیں اور اسی پر سب صحابہؓ نے آپ سے بیعت کی اور علیؓ نے بھی کچھ توقف کے بعد علیٰ روس الاشہاد آپ سے بیعت کی۔ابوبکرؓ کا لقب خلیفۂ رسول اللہ تھا۔

فصل۔ عمر فاروقؓ کی خلافت کے بیان میں۔ابوبکر صدیقؓ نے دو برس چار مہینے یا دو برس چھ مہینے خلافت کی ہے اور پھر آپ بیمار ہوگئے۔جب آپ کو اپنے جینے کی امید نہ رہی تو حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عمر فاروقؓ کے لئے خلافت نامہ لکھدیا جس کا یہ مضمون ہے بسم الله الرحمن الرحیم یہ ابوبکر بن قحافہ کا دنیا میں آخری زمانہ ہے اور عالم آخرت میں داخل ہونے کا پہلا زمانہ ہے ۔یہ وہ زمانہ ہے جس میں کافر مومن ہو جاتا ہے اور گنہ گار توبہ کرتا ہے۔میں نے عمر بن الخطاب کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اگر عمر عدل کریں گے تو میرا گمان بھی یہی ہے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ان کا گناہ ان ہی پر ہے مگر میں نے بھلائی چاہی ہے اور عیب داں نہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون جب یہ تحریر لکھدی اس پر مہر کی۔ پھر یہ تحریر باہر لائی گئی اور صحابہؓ سے کہا گیا کہ اس کاغذ میں جس کا نام ہے اس سے بیعت کرنی چاہئے۔حضرت علیؓ کے سامنے بھی یہ قرطاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا اگر عمر کا نام بھی اس کاغذ میں ہے تو ہم نے بیعت کی ہے۔پھر صحابہ نے عمرؓ کے ہاتھ بیعت کی اور آپ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔

عمر فاروقؓ نے دس برس خلافت کی ہے اور نہایت عدالت وتقویٰ سے آپ کی خلافت کا زمانہ پورا ہوا۔ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ابولولو مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے آپ کو شہید کیا۔انا لله و انا الیه راجعون۔

فصل۔عثمان غنیؓ کی خلافت کے بیان میں۔جب عمر فاروقؓ مجروح اور اپنی شہادت سے مطلع ہوئے فرمایا کہ خلافت کے مستحق وہی لوگ ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ اپنے زمانۂ وفات تک راضی تھے۔پھر آپ نے عثمانؓ و علی المرتضیٰؓ و زبیر وطلحہ و عبد الرحمٰن بن عوفؓ وسعد ابن ابی وقاس کا نام لیا اور فرمایا کہ مشورہ کے بعد تم میں سے کوئی ایک شخص خلیفہ بن جائے۔عمرؓ کے دفن کے بعد اصحاب مذکور نے مشورہ کیا اور سب کی رائے ہوئی کہ ہم عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حکم سے راضی ہیں۔عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عثمانؓ کو انتخاب کیا اور سب صحابہؓ کے سامنے آپ سے بیعت کرلی پھر سب صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کی۔

فصل۔علی المرتضیٰ کی خلافت کے بیان میں ۔ جب عثمانؓ ذی النورین کی شہادت ہوئی مہاجرین و انصارؓ شہادت عثمان سے تین دن یا پانچ دن کے بعد جمع ہوئے اور حضرت علیؓ سے قبول خلافت کی درخواست کی حضرت نے بہت انکار کے بعد یہ درخواست قبول کی۔ حضرت علیؓ کی شہادت آنحضرت کی وفات کی تاریخ سے تیسویں برس کی ابتدا میں ہوئی اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے پانچ برس چھ مہینے خلافت کی ہے اور آپ کی شہادت کے بعد حسن ابن علیؓ المرتضیٰ نے چھ مہینے پورے کئے اس کے بعد خلافت کی مدت جو پورے تیس برس تھی پوری ہوگئی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الخلافة من بعدی ثلثون سنة ثم تصیر ملکا عضو ضا**۔اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تیس برس کے بعد زمانہ خلافت نہیں ہے بلکہ زمانہ امارت ہے۔بعض حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بارہ خلیفے ہوں گے۔اس صورت میں عمر بن عبدالعزیز اور نیز بعضے خلفاء بنی امیہ کی امارات بھی خلافت میں داخل ہوجائے گی۔علامہ تفتازانی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ تاویل کی ہے کہ تیس سالہ خلافت سے مراد وہ خلافت ہے جس کو سنن رسول اللہ سے کسی وجہ سے مخالفت نہیں تھی اور یہی خلافت راشدہ ہے اور اس حدیث سے جس میں بارہ خلیفوں کا ذکر ہے یہ مراد ہے کہ ممکن ہے کہ اس زمانہ کی خلافت میں لوگوں کی طبیعتیں ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوجائیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان خلفاء کی خلافت راشدہ نہیں ہے بلکہ خلافتِ راشدہ کی مدت تیس برس ہے وہ پہلی حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

فصل۔اہل سنت کے پاس امام خلیفہ سے عام ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ امام خلیفہ سے خاص ہے اور بعض کا یہ مقولہ ہے کہ خلافت و امامت میں اس وجہ سے کہ منجانب اللہ نص کی ضرورت نہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

فصل۔ خلافت راشدہ کے لئے اہل سنت کے پاس شرط عصمت نہیں ہے۔یعنی ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ معصوم ہو کیونکہ اس اشتراط کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔لیکن یہ شرط ہے کہ قریشی ہو اور یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہو کیونکہ خلافت و امامت سے اصلی غرض یہ ہے کہ خلیفہ احکام خدا کی تنفیذ و حفاظتِ حدود و اسلام پر قادر اور مظلوم کی دادرسی کرسکتا ہو اور امور سیاسی اور ملکی تدبیروں میں اس کو خاص ملکہ ہو ان صفات کا کسی شخص میں موجود ہونا اس کی خلافت و امامت کے لئے کافی ہے اور ممکن ہے کہ یہ شخص اس کے زمانہ کے لوگوں سے افضل نہ ہو۔

فصل۔ جب امامت وخلافت کے لئے عصمت شرط نہیں ہے تو حنفیہ کے پاس کسی کی خلافت وامامت فسق کی وجہ سے باطل نہیں ہوسکتی۔ شافعیہ کا یہ مذہب ہے کہ امام امامت سے اور قاضی قضاءت سے بوجہ فسق کے معزول ہوجاتا ہے مگر علامہ تفتازانی کا یہ قول ہے کہ کتب شافعیہ میں یہ ہے کہ قاضی فسق کی وجہ سے معزول ہوگا اور امام معزول نہ ہوگا کیونکہ اس کے معزول ہونے میں فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی فسق ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی شان میں مناقب عالیہ ذکر کئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے **اکرموا اصحابی فانھم خیارکم۔** یعنی میرے اصحاب کی تعظیم کرو کیونکہ وہ تم سے بہتر ہیں اور نیز فرمایا ہے **لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم ان انفق مثل احد ذھنبا مابلغ احدھم ولا نصیفه** ۔تم میرے اصحاب کو گالی مت دو اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے پہاڑ کے موافق سونا خدا کی راہ میں دے گا تو ان کے ایک مد اور آدھے مد کا ثواب بھی نہ پائے گا۔ صحابہ کے درمیان جو کچھ جھگڑے یا چشمک زنیاں ہوئی ہیں ان میں تاویلات احسن کرنی چاہئے اور ان سے نیک اعتقاد رکھنا چاہئے۔ غرض صحابہؓ میں کسی وجہ سے طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایسا طعن جو دلائل قطعیہ کے مخالف ہے کفر ہے مثلاً قذف عایشہ صدیقہؓ کیونکہ یہ طعن اس آیت کریمہ کا مخالف ہے جس سے صدیقہ عفیفہؓ کی تطہیر ثابت ہوگئی ہے اور اگر دلائل قطعیہ کے مخالف نہیں ہے تو فسق اور بدعت سئیہ ہے لیکن وہ لوگ جو صحابہؓ کی تکفیر کرتے ہیں ان لوگوں کے کفر میں شبہ نہیں ہے کیونکہ ان کی یہ تکفیر آیت والذین معہ اشداء علی الکفار (الفتح۔۲۹) الخ کے مخالف ہے۔

یزید پر لعنت کرنے میں اختلاف ہے حنفیہ نے یہ پسند نہیں کیا ہے کہ اس پر لعنت کی جائے مگر شافعیہ کے کتب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس یزید پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقاید نسفی میں اس کی تصریح کی ہے۔

فصل۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ صحابۂ رسول اللہ ﷺ میں حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور آپ کے بعد حضرت عثمانؓ اور آپ کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ محقق دوانی نے شرح عقائد جلالی میں ذکر کیا ہے کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فضیلت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ میں توقف کیا ہے یعنی تصریح نہیں کی ہے کہ عثمانؓ علیؓ سے افضل ہیں یا علیؓ عثمانؓ سے افضل ہیں اور امام

الحرمین نے بیان کیا ہے کہ ظن غالب یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ سب صحابہؓ سے افضل ہیں اور عمرؓ باقی صحابہ سے افضل ہیں۔ مگر اس مسئلہ میں کہ عثمانؓ علیؓ سے افضل ہیں یا علیؓ عثمانؓ سے افضل علماء کے اقوال اور خیالات متعارض ہیں اور ابی بکر بن ابی حزیمہ سے منقول ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں واضح ہو کہ افضل سے مراد وہ شخص ہیکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ ثواب ملے۔ اس سے فضیلت علمی یا نسبی مراد نہیں ہے۔

فصل۔ خلفاء راشدینؓ کے بعد وہ صحابہ بزرگ ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی ہے اور یہ کئی صحابی ہیں چنانچہ صحیح حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ وعثمان ذی النورینؓ وعلی المرتضیٰؓ وطلحہؓ وزبیرؓ وعبدالرحمٰن بن عوفؓ وسعد ابن ابی وقاصؓ وسعید بن زیدؓ وابوعبیدہ بن الجراحؓ بہشتی ہیں اور دیگر صحیح حدیثوں میں مروی ہے کہ فاطمۃ الزہراؓ بہشتی بیبیوں میں سردار ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ امام حسنؓ و امام حسین جوانانِ اہل جنت میں سردار ہیں۔ مذکورہ صحابہؓ کے اہل جنت ہونے کا اعتقاد رکھنا چاہئے کیونکہ مخبر صادق یعنے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بہشتی ہونے کی خبر دی ہے۔ علامہ عضدالدینؒ نے عقائد عضدیہ میں بیان کیا ہے و **اهل بيعة الرضوان و اهل بدر من اهل الجنة يعنى اهل بيعت رضوان اور بدر** کی لڑائی میں جو لوگ شریک تھے بہشتی ہیں ان کے سوا باقی صحابہؓ کا ذکر بھلائی سے کرنا چاہئے۔

خاتمة:۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں نبوت وملائکہ کے مباحث کے بعد ولی اور کرامت ولی سے بھی بحث کی ہے ہم بھی اس مختصر رسالہ میں علامہ کی تقلید کرتے ہیں اور ان دونوں مسئلوں پر مختصر تقریر کرتے ہیں۔

فصل۔ ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف اور طاعاتِ خدا میں مشغول ہو۔ خواہشوں اور لذتوں اور گناہوں سے بچتا رہے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ماسوی اللہ سے نفرت۔ اولیاء اللہ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے **الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۔** (یونس۔۶۲) یعنی اولیاء اللہ تعالیٰ کو کوئی ڈر اور غم نہیں ہے۔ اولیاء کی ولایت کا کمال نبی ﷺ کی کمال اتباع پر موقوف ہے۔ جس نے آنحضرت ﷺ کی پوری اتباع کی وہی کامل ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ معصوم ہیں اور آپ کی معصومیت قطعی ہے آپ کی کامل اتباع اسی شخص سے ہو سکے گی جو معصوم ہوگا کیونکہ غیر معصوم سے آپ کی اتباع سخت مشکل ہے۔

فصل۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے کہ ولی نبی کا ہم مرتبہ نہیں ہوسکتا مگر بعضے عارفین کا یہ

مقولہ ہے کہ الولایة افضل من النبوة اس قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہیکہ ہر ولایت ہر نبوت سے افضل ہے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس میں خلاف ادب ہے اس کی تاویل کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ولایت سے ولایتِ نبی مراد ہے اس تقدیر پر اس کے یہ معنی ہو جائیں گے کہ ولایتِ نبی' نبوتِ نبی سے افضل ہے۔ چنانچہ علامہ نے لکھا ہے بل لا بد من التقیئید وھو انّ ولایة النبی افضل من نبوته علامہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نبوت تشریعی منقطع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ پر اس نبوت کا اختتام ہو گیا اور ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی بلکہ یہ قیامت تک باقی ہے پس اس کا فیضان ابدی ہے علامہ نے اس قول کی جو تاویل کی ہے فصوص میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے بھی یہی تاویل کی ہے۔ شیخ نے اولیاء اللہ کی شان میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے فا لولا یة نبوة عامة والنبوة الّتی بھا التشریع نبوة خاصة یعنی ولایت نبوت عامہ ہے اور نبوت تشریعی نبوت خاصہ ہے شیخ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت خاصہ کا اختتام ہے نبوت عامہ کا اختتام نہیں ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے شیخ اکبر کا یہی قول علامہ کی تقریر کا ماخذ ہے۔

فصل۔ کرامت اولیاء اللہ حق ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ زکریا علیہ السلام جب بیت المقدس میں داخل ہوتے تھے مریم علیہا السلام کے پاس کھانے کی چیزیں دیکھتے جب آپ نے مریم علیہا السلام سے پوچھا کہ یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے عنایت ہوا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کلما دخل علیھا ذکریا المحراب و جد عند ھا رزقاً قال یا مریم انیّٰ لک ھٰذا قالت ھو من عند الله (آل عمران۔۳۷) اور نیز حضرت آصف صدیق کی دعا سے بلقیس کا تخت ایک پلک مارنے سے بھی پہلے حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں حاضر ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قال الذی عنده علم من الکتاب انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک ۔فلما رآہ مستقرّاًعنده قال ھذا من فضل ربی (النمل ۔۴۰) جملہ قال الذی عندہ سے حضرت آصف صدیق مراد ہیں یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تورات دیا تھا کہا میں اس تخت کو نظر آنکھ کی طرف پلٹنے کے پہلے لاتا ہوں۔ جب اس تخت کو اپنے سامنے قائم دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہے کہ صالحین سے کرامت صادر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خبر متواتر معنوی ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ اور دیگر اولیاء اللہ سے بہت سی کرامتیں صادر

ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں خطبہ پڑھتے ہوئے اس اسلامی لشکر کو دیکھا جو شہر نہاوند میں کفار سے آمادہ کارزار تھا اور ایسی حالت میں تھا کہ شکست کھا جائے۔ آپ نے فرمایا یاسارية الجبل الجبل۔ یعنی اے چھوٹے لشکر تم پہاڑ کا سہارا لے لو لشکر نے یہ آواز سنی اور پہاڑ لے لیا اور اسلام کی فتح ہوئی۔ خالدؓ نے زہر پی کر پچا لیا اور ضرر نہ ہوا۔ نیز علیؓ سے بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ غرض یہ اعتقاد رکھنا کہ اولیاء سے کرامتیں صادر ہوئی ہیں حق ہے۔ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اور استاد ابو اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ امام الحرمین نے اس کی تصریح کی ہے۔

فصل۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ خوارق عادات جو انبیاء علیہم السلام سے بطور معجزہ صادر ہوئے ہیں مثلاً دریا میں راستہ پڑ جانا یا مردے زندہ ہو جانا بطور کرامت اولیاء سے صادر ہو سکتے ہیں بعضوں کا یہ مقولہ ہے کہ نہیں صادر ہو سکتے اور بعضوں کا یہ مقولہ ہے کہ صادر ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معجزے اور کرامت میں تحدّی اور عدم تحدّی کا فرق ہے۔

چھٹا باب

عذابِ قبر اور آخرت کے بیان میں

فصل۔عذاب قبر کے بیان میں۔اہل سنت کہتے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **النّار یعرضون علیها غدواً و عشیاً و یوم تقوم الساعة ادخلواآل فرعون اشد العذاب** (المومن۔۴۶) یعنی آل فرعون صبح وشام آگ پر پیش کئے جائیں گے اور قیامت کے دن (ان کو حکم ہوگا) کہ اے آل فرعون سخت عذاب میں داخل ہو جاؤ اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین**۔(المومن۔۱۱) اس آیت سے دو مرتبہ مرنا اور دو مرتبہ زندہ ہونا ثابت ہے۔پہلی موت سے مراد ہے جو دنیا میں ہوتی ہے اور پہلی مرتبہ زندہ ہونے سے قبر میں زندہ ہونا مراد ہے اور دوسری موت سے قبر میں مرنا اور دوسری زندگی سے حشر میں زندہ ہونا مراد ہے۔ان دونوں آیتوں سے قبر میں زندہ ہونا اور پہلی آیت میں قبر میں عذاب ہونا ثابت ہے۔عذاب قبر کے ثبوت میں بہت سی صحیح حدیثیں مروی ہیں۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان احد کم اذامات عُرض علیه مقعده بالغداة و العشیّ ان کان من اهل الجنة وان کان من اهل النار فمن النار فیقال هذا مقعدک حین یبعثک الله یوم القیامة**۔یعنی جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے ہر صبح وشام اس کی جو جگہ ہے اس کو دکھائی جاتی ہے۔جو بہشتی ہے اس کی جگہ بہشت میں دکھائی جاتی ہے اور جو دوزخی ہے اس کی جگہ دوزخ میں دکھائی جاتی ہے۔اور اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تک تیرا یہی مقام ہے۔اس مضمون کی بہت سی حدیثیں شرح صدور میں جلال الدین سیوطی نے لکھی ہیں اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ قبر میں میت کو آرام وراحت بھی ہے اور عذاب بھی ہے ان وقتوں میں اس کو یہ احساس بھی رہتا ہے کہ راحت میں ہے یا عذاب میں۔پس قرآن مجید اور حدیث شریف سے میت کا قبر میں راحت پانا یا عذاب میں رہنا ثابت ہے اور اسی وجہ سے راحت قبر یا عذاب قبر پر ایمان لانا فرض ہے کیونکہ اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا علم صرف آنحضرت ﷺ کو دیا گیا ہے یا نبی ﷺ نے ان کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے مثلاً دوزخ وجنت وغیرہ۔اس علم یا اپنے مشاہدہ کی آنحضرت ﷺ

نے اپنی امت کو خبر دی ہے چونکہ نبی ﷺ معصوم اور مخبر صادق ہیں۔ آپ کی ہر خبر کی تصدیق ضروری ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ خصوصاً جب کسی خبر رسول ﷺ کا ثبوت تواتر سے ہوا ہو۔ مثلاً یہی حدیثیں جو عذاب قبر اور تنعیم قبر پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کا قدر مشترک متواتر ہے۔ اصول فقہ میں یہ امر ثابت ہوا ہے کہ حدیث متواتر کا انکار کفر ہے مگر خبر واحد کا انکار اس وجہ سے کفر نہیں ہے کہ رواۃ کی جانب سے اس میں ظن پیدا ہو گیا ہے اور اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ خبر رسول ہے غرض جو لوگ عذاب قبر کے منکر ہیں ملحد ہیں ہم نے رسالہ **الحیات بعد الممات** میں اس مسئلہ کی بہت توضیح کی ہے۔ اس رسالہ میں اسی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

فصل۔ سوال منکر و نکیر کے بیان میں۔ میت سے نکیرین کا سوال کرنا حق ہے۔ حدیث صحیح میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان یقال لا حدھما منکر وللآخر نکیر فیقولان لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل فان کان مومنا فیقول ھو عبداللہ و رسولہ و اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا عبدہ و رسولہ فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ھذا ثم یفتح لہ فی قبرہ سبعین ذراعا فی سبعین ثم ینورلہ فیہ ثم یقال لہ نم فیقول ارجع الیٰ اھلہ فاخبرھم فیقولان نم کنوم العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہٖ الیہ حتی یبعثہ اللہ تعالیٰ من مضجعہ ذلک** یعنی جب قبر میں میت رکھی جاتی ہے تو دو کالے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں پھر یہ دونوں فرشتے میت سے پوچھیں گے کہ تم اس شخص کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ اگر میت مومن ہے تو یہ کہے گی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کو ایک اور محمد کو رسول اللہ جانتا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم کو تم سے یہی امید تھی پھر اس کی ستر گز قبر کشادہ اور روشن ہو جائے گی اور اس کو کہا جائے گا کہ اب تم سو جاؤ۔ میت کہے گی کہ کیا میں اپنے اہل کے پاس جاؤں اور ان کو یہ خبر دیدوں۔ فرشتے کہیں گے کہ تم مثل عروس سو جاؤ۔ تا آنکہ تم کو اللہ تعالیٰ اس خواب سے اٹھادے۔ **و ان کان منافقا فیقول سمعت الناس یقولون قولا فقلت مثلھم لا ادری فیقولان قدکنا نعلم انک تقول ذلک فیقال للارض التامی علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہ معذبا حتی یبعثہ اللہ تعالیٰ من مضجعہ ذلک**۔ اور اگر وہ منافق ہے تو یہ جواب دے گا کہ میں لوگوں سے اس شخص میں جو بات سنا ہوں خود یہی کہا

کرتا تھا۔فرشتے کہیں گے کہ ہم کو تجھ سے یہی کہنے کی امید تھی۔پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ ملجائے وہ ملجائے گی اس میت کی پھسلیاں آپس میں مل جائیں گی اور ہمیشہ عذاب میں رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کو قبر سے اٹھائے۔حبائی اور بلخی نے منکر ونکیر کے اسماء کا انکار کیا ہے اور منکر سے کافر کی زبان کا لڑکھڑانا اور نکیر سے فرشتوں کی دھمکی مراد لی ہے یہ تاویل ظاہر الفاظ کی مخالف ہے

عذاب قبر اور سوال میت سے ضرار بن عمرو و بشر مریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ اور شیعہ نے انکار کیا ہے اور صریح حدیثوں میں بے سود تاویلیں کی ہیں جو لغو و باطل ہیں۔

فصل۔امام نجم الدین نسفیؒ نے عقائد میں ذکر فرمایا ہے **و فی دعاء الا حیاء للاموات و صدقتهم نفع لهم** ۔یعنی زندوں کے دعا و صدقہ سے میتوں کو نفع ہوتا ہے اس مسئلہ میں احادیث صحیحہ موجود ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ دعا و صدقہ سے میت کے لئے نفع ہے خصوصاً نماز جنازہ سے جو کچھ نفع میت کو پہنچتا ہے قرآن مجید سے ثابت ہے چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے **و ان صلوتک سکن لهم** یعنی آپ کی نماز سے اموات کے لئے سکون و اطمینان ہے اور حدیث شریف میں **قال علیه السلام مامن میت نصلی علیه امة من المسلمون یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه** ۔یعنے جس میت پر سو مسلمانوں کی جماعت نماز پڑھے اور وہ اس میت کی شفاعت و دعا کریں تو ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔**و من سعد بن عبادة انه قال یا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بئرا. وقال هذا لام سعد** ۔یعنی سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں مرگئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی۔سعد نے باؤلی کھدائی اور کہا کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔ان حدیثوں کے سوائے بہت سی حدیثیں اس مسئلہ میں مروی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میت کے لئے دعا و صدقہ نافع ہے۔اس مسئلہ میں اگر کچھ اختلاف ہے تو معتزلہ کو ہے مگر جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ دعا نافع ہے اور اللہ تعالیٰ مجیب الدعوات اور قاضی الحاجات ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** یعنی تم مجھ سے دعا کرو میں اس کو قبول کروں گا اور نیز فرماتا ہے **اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلهم یرشدون** (البقرۃ۔۱۸۶) یعنی دعا کرنے والے کی دعا قبول کتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس دعا کرنے والوں کو چاہئے کہ مجھ سے دعا کی قبولیت چاہیں اور

مجھ پر ایمان لائیں شائد کہ وہ راہ پر آئیں۔ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرماتا ہے مگر دعا کی قبولیت لازمی نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اگرچہ ان آیتوں میں دعا کی قبولیت کا وعدہ ہے مگر یہ وعدہ استجابت پر موقوف ہے اور استجابت سے مراد یہ ہے کہ دعا کرنے والا تقویٰ اور خلوص نیت وحضور قلب وخشوع وخضوع سے موصوف ہو اور ان سب صفات کا جمع ہو کر دعا کے وقت میں موجود ہونا امر شوار ہے لہذا اکثر داعیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

فصل۔اشراط قیامت کے بیان میں۔علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے کہ قیامت کے پہلے چند چیزیں ظاہر ہوں گی دابۃ الارض نکلے گا۔قوم یاجوج ماجوج نکلے گی آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔تین خسف ہونگے۔علم کم ہو جائے گا اور امانت دار نہ رہے گا۔بدکاری اور چوری بڑھ جائے گی۔مرد کم ہو جائیں گے اور عوتیں زیادہ ہو جائیں گی۔توبہ کا زمانہ نہ رہے گا۔حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے روایت ہے کہ قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ دس نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد قیامت آئے گی۔دُخان دجال۔دابتہ الارض۔مغرب سے طلوع آفتاب۔عیسیٰ کا نزول۔یاجوج ماجوج کا خروج۔تین خسف یعنی ایک خسف مشرق دوسرا خسف مغرب تیسرا خسف جزیرۂ عرب اور ان سب کے بعد یمن سے آگ نکلے گی اور محشر کی طرف لوگوں کو لے جائے گی۔آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان نشانیوں میں سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ یہ ہے کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا اور دابتہ الارض چاشت کے وقت میں نکل آئے گا۔آنحضرت ﷺ یہ بھی علامت قیامت سے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ فاسق قبیلہ کا سردار ہوگا اور قوم کا افسر ارزل۔علماء نے امور مذکورہ کی تفسیر کی ہے اور بیان کیا ہے کہ دجال سے مراد وہ کافر ہے جو لوگوں کو گمراہی کی طرف بلائے گا جو لوگ اس کی اتباع کریں گے کافر ہو جائیں گے صاحب حکومت ہوگا سب کفار اس کو اپنا حاکم سمجھیں گے مومنین کو مجبور کرے گا کہ اس پر ایمان لائیں جب وہ انکار کریں گے تو ان کو قتل کرے گا مومنین پر یہ سخت امتحان کا وقت ہے۔اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس بلا سے بچائے اس کافر کے قتل کے لئے حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے اور اس کافر کو قتل کریں گے اس واقعہ کے بعد یاجوج وماجوج نکلیں گے بعضوں کا یہ قول ہے کہ یاجوج وماجوج یافث بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں اور بعضوں کا یہ مقولہ ہے کہ یہ بنی آدم ہیں ان میں سے بعضے طویل القامت ہیں اور بعضے پست ہیں۔

یہ قوم جب نکلے گی حیوانات ونباتات کو کھا جائے گی۔ یہ قوم بہت کثیر التعداد ہے سب زمین ویران کردے گی مگر مکۂ معظّمہ ومدینہ منورہ وبیت المقدس پران کا عبور نہ ہوگا بالآخر یہ بیمار ہوکر سب کے سب مرجائیں گے پھر پرندے ان کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیں گے۔ پھر بارشیں ہوں گی اور زمین دھودی جائے گی۔

حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ دجال کے قتل کے بعد عیسیٰ سات برس زندہ رہیں گے حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں سب امت رسول اللہ میں دوستی ومحبت رہے گی پھر ٹھنڈی ہوا چلے گی اور سب مومن مرجائیں گے اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے ان ہی لوگوں پر قیامت آئے گی اور انہیں کے زمانہ میں صور پھنکے گا۔

علامہ تفتازانی نے اس فصل میں ذکر کیا ہے کہ مہدیؑ کا خروج اور عیسیٰؑ کا نزول بھی اشراط قیامت سے ہے اور بیان کیا ہے کہ مہدیؑ اولاد فاطمۃ الزہراؓ سے ہیں۔ چنانچہ علامہؒ کی یہ عبارت ہے **فذهب العلماء الىٰ انه امام عادل من ولد فاطمة رضى الله عنها يحلقه الله تعالىٰ متىٰ شاء و يبعثه نصرة لدينه۔** علامہ نے اس عبارت میں چند امور ذکر کئے ہیں۔ پہلا امر یہ ہے کہ مہدی امام عادل ہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مہدی اولاد فاطمہؓ ہیں۔ تیسرا امر یہ ہے کہ مہدی کے خروج کا کوئی زمانہ معین نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر آپ کا ظہور موقوف ہے۔ چوتھا امر یہ ہے کہ آپ ناصر دین رسول اللہؐ ہیں اور اسی خدمت کے لئے آپ کی بعثت ہے۔ پانچواں امر یہ ہے کہ علامہ نے جو کچھ اس عبارت میں ذکر کیا ہے وہ علامہ کی رائے نہیں ہے بلکہ یہ قول علماء متقدمین کا متفق علیہ ہے۔

بعض صحیح حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے اور یہہ بھی ثابت ہے کہ مہدیؑ دافع ہلاکت امت ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے **كيف تهلك امتى انا فى اولها و عيسىٰ فى آخرها والمهدى من اهل بيتى فى وسطها۔** اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت مہدیؑ کی مجئی حضرت عیسیٰ کے پہلے ہے چونکہ علامہ نے بعثت مہدی کو اشراط قیامت میں ذکر کیا ہے لہذا ہم نے بھی یہاں ذکر کردیا ہے۔

فصل۔ امام رازی نے معالم اصول دین میں ذکر کیا ہے کہ اس امر پر ایمان واجب ہے کہ زمین وآسمان ایک دن خراب ہوجائیں گے اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی ترکیب بگڑ جائے گی اور ان میں فساد واقع ہوجائے گا۔ اس پر دلیل یہ ہیکہ سارے اجسام متماثل ہیں اور جسم کے خواص سے یہ بھی ہے کہ کاین و فاسد ہوتو

ضرور ہے کہ آسمانی اجسام بھی کاین وفاسد ہوں۔ اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید میں یہ خبردی ہے کہ ایک دن زمین و آسمان کا نظام بگڑ جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے **یوم تطوی السماء کطی السجل** (الانبیاء ۔۱۰۴)اور نیز فرماتا ہے **اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت** (الانفطار۔۱)اور نیز فرماتا ہے **اذا زلزلت الارض زلزالھا و اخرجت الارض اثقالھا** اور نیز فرماتا ہے **واذالجبال سیرت** اورفرمایا ہے **و تکون الجبال کالعھن المنفوش** اور نیز فرمایا ہے **و اذالجار سجرت** یعنے آسمان ٹکڑے اڑ جائے گا اور ستارے بکھر کر گر پڑیں گے زمین میں سخت بھونچال ہوں گے اور اپنے چھپے ہوئے بوجھوں کو باہر نکال دے گی اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور مثل دھنکے ہوئے پشم کے ہوجائیں گے یہی معنی نظام عالم کے بگڑ جانے کے ہیں یہ سب خرابی طوفان ہوائی کی وجہ سے ہوگی کیونکہ اس کرۂ ہوائی میں اللہ جل شانہٗ کے حکم سے ایک ایسی زبردست قوت ہوگی جو زمین و آسمان کے رگ پٹھوں کو توڑ مروڑ دے گی اور سب اجزاء کو بکھیر دے گی اور یہ سب طوفان نفخ صور کی وجہ سے ہوگا جس کے پھونکنے والے حضرت اسرافیلؑ ہیں اللہ جل شانہٗ قرآن مجید میں فرماتا ہے **فاذانفخ فی الصور نفخة واحدة و حملت الارض والجبال فدکتا دکة واحدة فیومئذ وقعت الواقعة**۔(الحاقۃ۔۱۳)

اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی شان جبروت ظاہر ہوتی ہے کہ جب حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا آپ کے ایک مرتبہ کے پھونکنے میں ہوا کا طوفان اس سناٹے کے ساتھ ہوگا کہ اس سے سب کائینات بگڑ جائے گی اور لمن الملک کی صدا آنے لگے گی اور خود ذات باری تعالیٰ ہی سے جواب ملے گا **اللہ الواحد القھار** یعنے سب ملک وملکوت اسی معبود کے لئے ہے جو بڑا قاہر وغالب ہے۔

فصل۔معاوجسمانی کے بیان میں۔اس سے پہلی فصل میں بیان کیا گیا ہے کہ زمین وآسمان کی حالت بدل جائے گی اور صورت بگڑ جائے گی، آسمان ٹوٹ جائیں گے، ستارے گر جائیں گے، دریا سوکھ جائیں گے، پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔غرض دنیا خراب ہوجائے گی اس کے معنی اللہ جل شانہٗ کی رحمت کو پھر جوش ہوگا اور دوسرا صور پھونکا جائے گا اور پھر وہ عالم جو فنا ہوگیا تھا پیدا ہوجائے گا اور سب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھ جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ثم انکم یوم القیامة تبعثون** یعنی تم قیامت کے دن اپنی قبروں سے اٹھو گے اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسموں کے اصلی اجزاء

جمع فرمائے گا اوران کی روحیں جثوں میں داخل کی جائیں گی۔حشر جسمانی تین چیزوں پر موقوف ہے اول یہ ہے کہ بدن اصلی کا دوبارہ پیدا ہونا ممکن ہو۔دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب ممکن چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔سوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب جزئیات کا عالم ہے جب یہ تینوں چیزیں ثابت ہیں تو حشر جسمانی بھی ثابت ہے۔پہلے امر کا بیان یہ ہے کہ ابدان اصلی کا اعادہ ممکن ہے کیونکہ حکماءاجسام کے فنا کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہر جسم کاین وفاسد ہے اور یہ نہیں کہا ہے کہ ہر جسم کاین ومعدوم ہے۔پس ابدان اصلی کے اعادہ سے اعادہ معدوم لازم نہیں آتا۔حاصل یہ ہے کہ اصلی ابدان کا اعادہ امر ممکن ہے۔ دوسرا امر تو بالاتفاق ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب ممکن چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔تیسرا امر بھی ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب جزئیات کا عالم ہے۔کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم نہ ہوگا تو جہل لازم آئے گا تعالیٰ اللہ عن ذٰلک علوا کبیراًاس کی کچھ بحث ہم نے علم کے مسئلہ میں کی ہے۔دیکھ لی جائے۔جب اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم ہے تو اس بات پر قادر ہے کہ زید کے اجزاء بدنی کو عمر کے اجزاء بدنی سے علیحدہ کرے اور ہر ایک کی روح کو اس کے خاص بدن سے متعلق کر دے۔جب یہ تینوں امر ثابت ہیں تو حشر جسمانی ثابت ہے۔قرآن مجید اور حدیث شریف میں حشر جسمانی کی جو خبر دی گئی ہے ایک امر ممکن کی خبر ہے اور عقلی دلیل اس پر دلالت کرتی ہے۔جب مخبر صادق کسی امر ممکن کے وقوع کی خبر دے تو اس کا وقوع ضروری ہے پس حشر جسمانی کا وقوع ضروری ہے۔

فصل۔صراط کے بیان میں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الاّ واردھا۔مفسرین کہتے ہیں کہ واردھا میں جو ضمیر مونث ہے اگرچہ کہ نار کی طرف پھرتی ہے مگر اس سے جسر جہنم مراد ہے۔اس جسر سے مراد ایک پل ہے جو جہنم پر قائم ہوگا اور اس پر سے سب آدمی گذریں گے عام ازیں کہ انبیاء ہوں یا اولیاء مومن ہوں یا کافر۔احادیث صحیحہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ پل بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔اس پر سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ بجلی کی طرح گزر جائینگے۔ان کو کسی طرح تکلیف نہ ہوگی اور مومنین بھی اللہ کے فضل و رحمت سے ہوا کی طرح گذر جائینگے۔مگر کفار اس پر سے گذر نہ سکیں گے اور جہنم میں گر پڑیں گے۔معتزلہ صراط کا انکار کرتے ہیں۔اور اس کے وجود کو بیکار سمجھتے ہیں۔یہ ان کی بیہودگی ہے۔

فصل۔ میزان کے بیان میں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والوزن یومئذن الحق۔اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاماّ من ثقلت موازينه فهو فی عيشة راضية واماّ من خفّت موازينه فامه هاوية (القارعۃ ٦)
یعنی جن کے اعمال نیک کا بوجھ بھاری ہوگا تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے لیکن جن کا ہلکا ہوگا ان کی جگہ دوزخ ہے۔اس میزان سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک چیز ہے جس سے اعمال کے مقادیر معلوم ہو جاتے ہیں۔ معتزلہ میزان کا انکار کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ اعمال اجسام نہیں ہیں تو وہ کیونکر تولے جائینگے اور اگر ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تو پھر ان کا تولنا عبث ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال نامے تولے جائیں گے اور ان کا تولنا ممکن ہے کیونکہ ممکن یہ ہے کہ انکی ایسی کوئی خاص میزان ہو جو ہم کو معلوم نہیں ہے اور عامل کو ان کے اعمال کے وزن دکھانے سے اسکو سکوت وسکون ہو جاتا ہے۔

فصل۔نامۂ اعمال کے بیان میں۔ہر شخص کے ہاتھ میں قیامت کے دن اس کا عمل نامہ رہے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاما من اوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابایسیراً (الانشقاق۔٨) یعنی جس کے سیدھے ہاتھ میں عمل نامہ دیا جائے گا اس کا حساب آسانی سے ہوگا۔واما من اوتی کتابه وراء ظهره فسوف یدعو ثبوراً و یصلی سعیراً (الانشقاق١٠) اور جس کے ہاتھ میں عمل نامہ اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا جائے گا وہ اپنی ہلاکت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا۔معتزلہ نامہ اعمال کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ نامۂ اعمال کا بندوں کے ہاتھوں میں دیا جانا بے فائدہ ہے۔ان کا یہ خیال لغو ہے کیونکہ بندوں کے اعمال اگرچہ علم باری تعالیٰ میں موجود ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے فیصلوں کو بھی ان ہی اصول پر موقوف رکھا ہے جو شریعت رسول اللہ میں بتائے گئے ہیں کیونکہ ملزمین کو خاموش کرانے اور لاجواب کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔

فصل۔جنت اور جہنم کے بیان میں۔اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ بہشت و دوزخ امر تکوینی سے پیدا ہو چکے ہیں۔کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پیدا ہونے کی خبر دی ہے چنانچہ فرماتا ہے اعدت للمتقین یعنی بہشت پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور نیز فرماتا ہے اعدّت للکافرین یعنی دوزخ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اور آدمؑ کا قصہ جو قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر کیا گیا جنت کے پیدا ہو جانے پر واضح دلیل ہے۔مگر ان دونوں کی مقامی تعیین کوئی صریح آیت موجود نہیں ہے ہاں اکثر اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عند سدرة

المنتهیٰ عند ھا جنة الماویٰ ۔(النجم۵۲) احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سقف الجنة عرش الرّحمٰن یعنی عرش رحمٰن جنت کی چھت ہے۔

جنت بڑا وسیع مقام ہے اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے مثل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عرضھا کعرض السمٰوت والارض ۔(الحدید۵۷) معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت دوزخ قیامت کے دن پیدا ہونگے کیونکہ اگر یہ دونوں اس وقت پیدا ہو چکے ہیں تو ان کا وجود بے کار ہوگا کیونکہ جزاء وثواب کے پہلے ان کے وجود کی ضرورت نہیں ہے۔اور نیز جب جنت کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے تو جنت آسمانوں اور زمینوں میں رہ نہ سکے گی۔ پہلے اعتراض کا جواب دووجہوں سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ جنت ودوزخ کا اس وقت موجود ہونا اس وجہ سے بیکار نہیں کہ مومن کے لئے قبر میں باب جنت کھولا جاتا ہے اور اس کو جنت کی آسائش ملتی ہے اور کافر کے لئے قبر میں دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور قبر ہی میں عذاب دوزخ ملتا ہے پس جنت ودوزخ کا اس وقت موجود ہونا ضروری ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ امر تکوینی یعنی کلمہ ٔ کن کے ساتھ رہی۔سب اجسام کونی بلا استثناء پیدا ہوگئے ہیں قرآن مجید میں کہیں یہ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی خلقت تو کلمہ ٔ کن سے ہوئی ہے مگر بہشت ودوزخ اس سے مستثنٰی ہیں پس معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے اور اہل سنت نے جو بیان کیا ہے حق ہے۔دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آسمانوں سے وہ آسمان مراد ہیں جو ساتویں آسمان کے تحت میں ہیں اور ممکن ہے کہ ساتواں آسمان اپنے تحتانی آسمان سے وسیع ہو۔

فصل۔جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ جاحظ اور عبداللہ عنبری کا یہ مذہب ہے کہ کافر معاند کو ہمیشہ عذاب ہوگا اور جو کافر معاند نہیں ہے اس کو ہمیشہ عذاب نہ ہوگا جمہور اہل سنت کا بیان یہ ہے کہ جو شخص الوہیت اور رسالت کا انکار خواہ وہ کسی وجہ سے کرے کافر اور مخلّد فی النار ہے اور ہمیشہ عذاب میں رہے گا چنانچہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اسی پر دلالت کرتی ہے۔

فصل۔مشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے۔امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت سے ہیں۔معتزلہ کہتے ہیں کہ ان کو عذاب نہ ہوگا بلکہ وہ اہل جنت کے خادم ہیں۔محقق دوانی نے

شرح عقاید میں ذکر کیا ہے کہ جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخی ہیں۔حضرت خدیجہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے ان بچوں کی حالت پوچھی جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہیں۔امام اعظمؒ کو اس مسئلہ میں سکوت ہے امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص گناہ کرنے کے بغیر معذب نہ ہوگا اور معین الدین نسفی نے اپنے معتقد میں ذکر کیا ہے کہ اہل سنت کا یہ مقولہ ہے کہ اطفال مشرکین اہل جنت کے خدام ہیں چنانچہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ شرح عقاید جلالی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ قول قرآن مجید کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **واتبعتهم ذرّيتهم الخ** معین الدین نسفی کا قول صحیح نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

فصل۔حوض کوثر کے بیان میں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انا اعطيناک الکوثر** یعنے اے محمد ﷺ تم کو ہم نے کوثر دیا ہے۔احادیث صحیحہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کوثر سے مراد ایک حوض ہے جس کی مسافت قریباً ایک مہینہ کی ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ صاف اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس کا پانی مشک سے بھی زیادہ معطر ہے یہ حوض جنت میں ہے اس کے اطراف میں ستاروں سے زیادہ کوزے رکھے ہیں۔اہل جنت اس حوض سے سیراب کئے جائیں گے۔جو شخص اس سے ایک قطرہ پی لے گا اس کو کبھی پیاس نہ ہوگی۔

فصل۔اہل جنت جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔چنانچہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے اور فقہ اکبر میں جس کی ملا علی القاری نے شرح لکھی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ مومنین جنت میں اپنی سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بلا تشبیہ دیکھیں گے۔معتزلہ اور شیعہ اللہ تعالیٰ کی رویت کے قائل نہیں ہیں اور ان آیتوں اور حدیثوں کی جن سے اللہ تعالیٰ کی رویت ثابت ہوتی ہے بے جا تاویلیں کرتی ہیں۔چونکہ ہم نے سابق میں امکان رویت باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے لہذا دوبارہ بحث نہیں کرتے۔

امام ابوشکور سالمی نے تمہید میں ذکر کیا ہے کہ ملائکہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رویت ثابت ہے اور حور و غلمان بھی اللہ تعالیٰ کی رویت سے مشرف ہیں ہمارا یہ خیال ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی نص صریح موجود نہیں ہے۔ اور نہ امام ابوشکور نے کسی نص کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ساتواں باب

ایمان کے بیان میں

فصل۔ایمان وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحیداور نبوت کا دل میں اعتقاد رکھےاورزبان سے اشھد ان لا اله الا الله واشھدان محمدا عبده و رسوله کہےاورجن امور کوہم نے اس رسالہ کے ابواب وفصول میں ذکر کیا ہےان کا اجمالی اعتقاد رکھےاورزبان سے اقرار کرےاوراگران میں سے کسی ایک چیز کا انکار کیا جائےتو کفر ہوگا۔مثلاً اگرکسی نے صانع مختار کا انکار کیایااس کی ذات وصفات میں کسی کوشریک کیایا نبوت کا انکار کیایاان امور کا انکار کیا جوضروریات دینی ہیں یاان امور کا انکار کیا جن پراجماع قطعی ہوا ہے یا حرام چیزوں کوحلال جانایا حلال کوحرام سمجھ لیاتو کافر ہوجائے گااور نیز جس نے نصوص صریحہ کی تردید کی کافر ہے ان کےسوائے اگر کسی امر کا انکار کرے مثلاً باری تعالیٰ کی رویت یا قرآن مجید کے مخلوق اور باری تعالیٰ کی جسمیت کا اقرار کرےتو بدعتی ہوگا چنانچہ شرح عقاید جلالی میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔

فصل۔ایمان کی زیادتی ونقصان کے بیان میں ۔حنفیہ وشافعیہ کواس مسئلہ میں اختلاف ہے۔حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان نفس تصدیق کا نام ہےاور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی طرح زیادتی ومنقصت نہیں ہوسکتی۔حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ جس کوحقیقت تصدیق حاصل ہوعام ازیں کہ اس سے طاعت صادر ہو یا معصیت واقع ۔اس کی تصدیق میں تغیرنہیں آتا اور نہ اس میں کمی وزیادتی ہوتی۔اس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کے افراد میں باعتبار کمیت کے تفاوت نہیں ہے۔اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے مگرحنفیہ اس بات کوتسلیم کرتے ہیں کہ ایمان قوی اورضعیف ہوتا ہے۔اس کے یہ معنی ہیں کہ ایمان افراد میں باعتبار کیفیت تفاوت ہوسکتا ہے اگرایسا نہ ہوگا تو کسی ایک شخص مثلاً زید کا ایمان آنحضرت ﷺ کے ایمان کے مساوی ہوجائے گا اور یہ بداہتہً باطل ہے۔علامہؒ تفتازانی نے اس مسئلہ میں نہایت منصفانہ بحث کی ہے علامہ نے باوجود شافعی ہونے کے اس مسئلہ میں ایسی بحث کی ہے جوایک محقق حنفی کے کرنے کی تھی۔علامہ نے اس بحث سے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ بحث کہ ایمان زیادہ ہے یاناقص ہے لفظی ہے۔

فصل۔ایمان میں عمل داخل نہیں ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اور یہ بات ثابت ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صحت اعمال کے لئے شرط ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یعمل من الصالحات وھو مومن۔اور یہ امر ثابت ہے کہ شرط مشروط میں داخل نہیں ہوتی پس عمل ایمان میں داخل نہ ہوگا۔اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعضے اعمال کے ترک کے بعد بھی ایمان باقی رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وانّ طایفتان من المومنین اقتتلوا اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کرنے والوں کو مومنین فرمایا ہے اگر عمل جزء ایمان ہوتا تو جزء کے منتفی ہونے سے کل یعنے ایمان منتفی ہوجاتا جب قتال وقتل کے بعد بھی ایمان پایا جاتا ہے تو یہ ثابت ہوگا کہ عمل ایمان کا جزو نہیں ہے۔حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کا عمل کو جزء ایمان کہنا باطل ہے۔

فصل۔قدریہ کا یہ خیال ہے کہ ایمان سے معرفت مراد ہے یہ خیال بھی باطل ہے اور اس کی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب نبوت محمدؐ کو اس طرح جانتے تھے جس طرح کہ اپنے بچوں کو جانتے تھے اور یہ معرفت ان کے ایمان کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید ان کے کفر کی شہادت دیتا ہے اور اجماعاً بھی وہ کافر ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بعضے یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی دعوت نبوت سچی ہے اور ان کے دلوں میں بھی اس کا یقین ہے تاہم تکبر اور دشمنی سے انکار کرتے ہیں چنانچہ ابولہب اور ابوجہل کی یہی حالت تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجحدوا بھا واستیقنھا انفسھم ان وجھوں سے صاف ظاہر ہے کہ نری معرفت ایمان کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ تصدیق واعتقاد کی ضرورت ہے پس جنھوں نے معرفت سے ایمان کی تعبیر کی ہے غلط ہے۔

فصل۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان واسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام سے احکام کا قبول اور اس کا اعتقاد مراد ہے اور یہی معنی ایمان کے ہیں۔اس معنی کے اعتبار سے ایمان واسلام میں لزوم ہے یعنے ان دونوں میں افتراق نہیں ہے۔لیکن اگر ایمان واسلام کے لغوی معنوں میں غور کیا جائے تو ان دونوں میں لزوم نہیں ہے اور یہی مذہب بعضے معتزلہ اور حشویہ کا ہے ان لوگوں نے اپنے مذہب پر یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قالت الاعراب آمنّا قل لم تومنو ولا کن قولو اسلمنا (الحجرات ۱۴) اس آیت سے صاف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام وایمان کی حقیقت ایک نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام شرع شریف

میں جو معتبر ہے ایمان کے بغیر پایا نہیں جاتا مگر اس آیت شریف میں جو اسلام مذکور ہے اس سے صرف انقیاد ظاہری مرادہ ہے اور وہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ بعضے احکام شرعی کے عدم اجراء کے لئے انقیاد ظاہری مانع ہو جائے غرض جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اسلام و ایمان ایک ہیں اور ان دونوں میں لزوم واتحاد ہے۔

فصل۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا درست ہے یا نہیں۔ جمہور کا یہ مذہب کہ اگر کسی کو اپنے مومن ہونے میں شبہ ہے تو میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا کفر ہے اور اگر اس کو اپنے ایمان میں شبہ نہیں ہے بلکہ ادب کے خیال سے یہ کلمہ کہتا ہے یا اس خیال سے کہ خاتمہ کا حال سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے یا اپنے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کرتا ہے یا تزکیہ نفسانی کے خیال سے یا اس خیال سے کہ نفس میں خود بینی نہ ہو جائے یہ کلمہ کہنا مضائقہ نہیں ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ یہ کلمہ اپنی زبان سے نہ کہے۔

فصل۔ انسان کی سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے پس ممکن ہے کہ سعید شخص کا خاتمہ شقاوت پر ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شقی کا خاتمہ سعادت پر ہو جائے۔

فصل۔ مومن کی دو قسم ہیں مومن صالح۔ مومن فاسق۔ مومن صالح وہ ہے کہ اعتقاد صحیح کے ساتھ عمل صالح اور اتقا سے موصوف ہو۔ ایسے مومنین کی نجات اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پرہیز گار مومنین کو بخشد ینے کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات لهم جنات تجری من تحتها الانهار ذلک الفوز الکبیر** (الطارق۔۱۱) اور یہ وعدہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتوں میں کیا ہے یقین ہے کہ اس کو اپنے فضل سے پورا کرے گا۔ ہاں ان مومنین میں بحث ہے جو عمل صالح اور اتقا سے موصوف نہیں ہیں بلکہ ان سے گناہ صادر ہوئے ہیں ان کی نجات میں علماء کو اختلاف ہے علماء ایسے مومن کو فاسق کہتے ہیں۔ فاسق وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں کے صادر ہونے یا کسی صغیرہ گناہ پر مصر ہونے سے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہو گیا ہو بدعتی بھی علماء اہل سنت کے پاس فاسق ہے۔ بدعتی سے وہ شخص مراد ہے جس کا اعتقاد اہل حق کے مخالف ہو اور اعتقاد اہل حق یعنی اہل سنت جو علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ عالم حادث ہے اور صانع عالم قدیم ہے صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے جو اس کے عین ہیں اور نہ غیر ہیں۔ اس کی ذات ایک ہے اس کا

کوئی مشابہ نہیں ہے کوئی اس کی ضد نہیں ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس کی ذات کی نہایت نہیں ہے نہ اس کو صورت ہے نہ حد ہے کسی چیز میں اس کی ذات حال نہیں ہے اس کی ذات کے ساتھ کوئی نئی چیز قائم نہیں ہے اس کی ذات کو حرکت وانتقال نہیں ہے۔ جہل اور صفات نقص سے موصوف نہیں ہے۔ اس کی ذات کے لئے مکان وحیز نہیں ہے نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ سب مخلوق اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر سے پیدا ہوئی ہے اور اس کی مشیت وارادہ کے مطابق موجود ہوئی ہے قبائح یعنی بری چیزیں اس سے صادر ہوئی ہیں مگر ان سے راضی نہیں ہے اور نہ ان کا حکم کرتا ہے۔ حشر جسمانی، عذاب قبر، حساب صراط، میزان، دوزخ وجنت مخلوق ہیں کافر آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور فاسق نہ رہیں گے عفو وشفاعت حق ہے قیامت کے اشراط مثلاً خروج دجال ویاجوج ماجوج ونزول عیسیٰؑ مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع۔ دابۃ الارض کا خروج یہ سب امور حق ہیں آدمؑ سب انبیاءؑ سے پہلے ہیں اور محمد ﷺ آخر الانبیاء ہیں۔ پہلے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ آپ کے بعد عمرؓ ہیں آپ کے بعد عثمانؓ اور آپ کے بعد علی المرتضیٰؓ ہیں جس نے اجمالاً ان سب چیزوں کو حق جانا اور ان کی حقیقت کا اعتقاد رکھا وہ اہل سنت سے ہے۔ اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو فاسق اور مبتدع ہے علامہ نے اس فہرست میں بعضے معتقدات ترک کر دئیے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ عالم جزئیات ہے اور کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور بندہ اپنے اعمال کا خالق نہیں ہے بلکہ ان اعمال کا کاسب ہے۔ اور ان کا خالق اللہ جل شانہ ہے اور ملائکہ و کتب آسمانی پر ایمان لانا۔ ان کے سوا اور امور بھی متروک ہیں حاصل یہ ہے کہ علامہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت سے وہ لوگ مراد ہیں جو سب امور مذکورہ کے معتقد ہیں۔ اور بدعتی وہ لوگ ہیں جو امور مذکورہ کے معتقد نہ ہوں گے بلکہ ان کے مخالف ہوں گے۔ تو کُل امور مذکورہ کے مخالف ہوں گے یا بعض امور کے۔ اگر وہ کل مذکورہ کے مخالف ہوں گے تو ان کی مخالفت سے نصوص صریحہ کا ابطال لازم آتا ہوگا یا ابطال لازم نہ آتا ہوگا۔ اگر ان کی مخالفت سے ابطال نصوص لازم آتا ہے تو اس مخالفت سے ان کی تکفیر ہو جائے گی اور اگر ابطال نصوص لازم آتا نہ ہوگا بلکہ نصوص کی تاویل کرتے ہوں گے پس اس تاویل کی نظیریں شرعیات میں موجود ہوں گی اور اس سے دوسرے نصوص کی معارضت نہ ہوگی تو اس تاویل سے نہ ان کی تکفیر لازم آتی ہے نہ بدعت اور اگر تاویل کی نظیریں شرعیات میں موجود ہوں گی مگر دوسرے نصوص صریحہ اس تاویل کے معارض

ہوں گے تو اس تاویل سے کفر لازم آئے گا اور اگر اس تاویل کی نظیریں شرعیات میں موجود نہ ہوں گی مگر نصوص کی معارضت ہی اس سے نہ ہوتی ہوگی تو اجتہاد ہوگا بدعت نہ ہوگی۔ قسم دوم میں یہی تقریر ہوگی۔
ہمارے خیال میں بدعت سے ایسا امر مراد ہے جس کی اصل دین میں موجود نہ ہو اور نہ وہ مجتہدین کے کسی قانون کلی کے تحت میں آسکتا ہے۔ اور نہ اس امر کا کہنے والا ملہم من اللہ ہو اور نہ وہ خود مجتہد ہو بلکہ اس کا منشاء ہوائے نفس ہو۔ پس اس امر کا آمر مبتدع ہوگا اور اس کا امر بدعت، واللہ اعلم۔

فصل۔ ایمان مقلد کے بیان میں۔ اکثر علماء اور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ ایمان مقلد صحیح و مقبول ہے مگر شیخ ابو الحسن اشعری اور معتزلہ اور اکثر متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ ایمان مقلد صحیح نہیں ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ تصدیق میں یقین جازم کا اعتبار ہے اس طور پر کہ اس کی نقیض یا ضد کا خیال دل میں نہ آئے اس طرح کی تصدیق مقلدین کو حاصل ہے پس ان کا ایمان مقبول و صحیح ہے اور نیز کبھی تصدیق بغیر علم و معرفت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ ہم انبیاءؑ اور ملائکہ پر ایمان لائے ہیں اور احوال قیامت مثلاً معاد جسمانی حساب میزان صراط وغیرہ چیزوں کو ہم نے دیکھا نہیں اور نہ ان کے ذوات کا ہم کو علم ہے تاہم ان کے وجود کا ہم کو یقین جازم ہے اور یہی یقین جازم ایمان ہے۔ غرض اہل سنت کے پاس مقلد کا ایمان صحیح ہے مگر عالم اور مقلد کے ایمان میں اتنا فرق مسلّم ہے کہ عالم کا ایمان تفصیلی ہے اور مقلد کا ایمان اجمالی۔

فصل۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اگر مومن سے گناہ صادر ہو تو وہ مومن ہی رہتا ہے خوارج کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا اور معتزلہ کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج نے اعمال کو جزء ایمان ٹھیرایا ہے تو جب تک کسی چیز کے اجزاء موجود نہ ہوں گے وہ چیز موجود نہ ہوگی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان محض تصدیق قلبی ہے اور چونکہ اعمال اس میں داخل نہیں ہیں بقاء ایمان میں ان کا وجود یا عدم موثر نہیں ہے پس مومن سے گناہ کبیرہ صادر ہو یا صغیرہ اس کے زوال ایمان کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ہاں وہ مومن جس سے گناہ کبیرہ صادر ہوا ہے مومن فاسق ہے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ شرک کے سوا سب گناہوں کو بخش دونگا چنانچہ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء** ۔(النساء ۱۱۴) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب گناہوں کو بخش دے گا اور چونکہ یہ وعدہ ہے ضرور پورا ہوگا۔ پس خوارج

کا یہ کہنا کہ مومن فاسق کافر ہے اور معتزلہ کا یہ کہنا کہ مومن فاسق نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے بالکل غلط ہے۔

فصل۔ جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ مومن فاسق آگ میں داخل کیا جائے گا اور معذب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آگ سے نکالا جائے گا اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ بعض آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دوزخ میں وہی شخص داخل ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کو جھٹلایا ہے اور روگردانی کی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لا يصلها الا الاشقىٰ الذى كذب و تولىّٰ** اور نیز فرماتا ہے کہ **ان الخزى اليوم و السوء على الكافرين** یعنی قیامت کے دن رسوائی اور برائی کافرین پر ہے اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **كلما القىٰ فيها فوج سالهم خزنتهاالم ياتكم نذير قالوا بلىٰ قد جآء نانذير فكذبنا و قلنا مانزل الله من شئى ان انتم الا فى ضلال كبير**۔(الملک۔۸) یعنی دوزخ میں کوئی فوج داخل ہوگی تو خازنان دوزخ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا کہیں گے ہاں نذیر تو آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ تم پر اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نہیں اتاری اور یہ بھی کہا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔ یہ تینوں آیتیں دو باتوں پر دلالت کرتی ہیں ایک یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں ہی کی رسوائی ہوگی اور دوسری بات یہ ہے کہ دوزخ میں وہی لوگ جائینگے جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے منہہ پھیرا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جھٹلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ گناہگار کے گناہوں کو صغیرہ ہو یا کبیرہ توبہ کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے بخشدے سکتا ہے مگر شرک کو نہیں بخشا چنانچہ سابق میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ **ان الله يغفر الذنوب جميعاً** اور نیز فرماتا ہے **وانّ ربكّ لذومغفرة للناس علىٰ ظلمهم**۔ اور جائیز ہے کہ صغیرہ گناہ سے مواخذہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لايغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها**۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ اللہ جل شانہ فاعل مختار ہے اپنی مشیت اور اپنے ارادہ کے موافق جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبائیر کو بغیر توبہ نہیں بخشتا۔ ان کا یہہ خیال غلط ہے کیونکہ غفران و مغفرت رافت و رحمت اس کی صفات ہیں۔ چنانچہ اسماء غفور و غفار و رحیم و رحمٰن و رؤف اسی بات پر دلالت کرتے ہیں اگر ان صفات کا اثر توبہ کا محتاج ہوگا اور توبہ انکی علت ہوگی تو ان صفات کا امکان لازم آئیگا اور ذات باری محل ممکنات ہو جائیگی اور یہ باطل ہے پس ان صفات کا اثر توبہ کا محتاج نہیں ہے اور یہی مذہب اہل سنت ہے۔

فصل۔ توبہ کے وجوب کے بیان میں مومن پر توبہ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا الذیّن آمنوا توبوا الی اللہ توبۃً نصوحاً**۔ اگر کوئی مومن شخص توبہ نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ جو تارک واجب ہے گنہ گار ہے اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ توبہ عبادت مستقلہ ہے پس اگر کسی سے توبہ کے بعد گناہ صادر ہوجائے توبہ کا ابطال نہ ہوگا۔ توبہ کا قبول ہونا اللہ تعالیٰ کے لطف و رحمت پر موقوف ہے اور اس بات کا یقین کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس وجہ سے کہ تواب و رحیم ہے اپنے فصل و کرم سے توبہ قبول کرے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ **انّ اللہ یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوا عن السئیات۔ (الشوریٰ۔۲۵)**

فصل۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بیان میں۔ جو لوگ شرعی مسائل سے واقف ہوں تو ان کو چاہیئے کہ فعل معروف کا حکم کریں اور فعل منکر کو منع کریں۔ اگر مامور بہ واجب ہے تو اس کا امر بھی واجب ہے اور اگر مامور بہ مسنون ہے تو اس کا امر بھی مسنون ہے۔ اسی طرح اگر منہی عنہ حرام ہے تو اس سے منع کرنا واجب ہے اور اگر مکروہ ہے تو اس سے منع کرنا مسنون ہوگا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر سے فتنہ نہ پھیلے اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس سے بلدہ کو چھوڑ دے۔

آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کسی کے چھپے ہوئے بھیدوں کی تلاش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تجسسوا** یعنی تجسّس مت کرو۔

اللہ جلّ شانہٗ کا شکر ہے کہ یہ رسالہ پورا ہو چکا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین .

☆☆☆